

بھارت : انسانی حقوق کے بارے میں رپورٹ 2017

خلاصہ

بھارت پارلیمان کے دو ایوانوں پر مشتمل ایک کثیر جماعتی، وفاقی پارلیمانی جمہوریت ہے۔ ملک کے صدر کا انتخاب ریاستی اسمبلیوں اور پارلیمان پر مشتمل ایک انتخابی نظام کے ذریعے ہوتا ہے۔ صدر سربراہ مملکت اور وزیر اعظم سربراہ حکومت ہیں۔ آئین کی رو سے ملک کی 29 ریاستوں اور سات وفاقی علاقوں کو بڑی حد تک خود مختاری حاصل ہے اور قانون اور اس کی عملداری ان کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ رائے دہندگان نے گزشتہ جولائی میں رام ناتھ کووند کو پانچ سال کی مدت کیلئے ملک کا صدر منتخب کیا ہے اور 2014 میں ہونے والے عام انتخابات میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی سربراہی میں قائم قومی جمہوری اتحاد کی فتح کے بعد نرندر مودی وزیر اعظم کے منصب پر فائز ہو گئے۔ تشدد کے چند واقعات کے باوجود مبصرین نے ان انتخابات کو آزادانہ اور منصفانہ قرار دیا جن میں 55 کروڑ دس لاکھ افرانے حصہ لیا۔

سول حکام کا سیکورٹی فورسز پر موثر کنٹرول برقرار رہا۔

بھارت میں انسانی حقوق کی بڑی خلاف ورزیوں میں پولیس اور سیکورٹی فورسز کی طرف سے کی جانے والی زیادتیاں شامل ہیں مثلاً ماورائے عدالت قتل، گمشدگیاں، ایذا رسانی، صوابدیدی گرفتاریاں اور حراست کے واقعات، عصمت دری، جیلوں میں سخت اور خطرناک حالات اور مقدمات سے قبل جاری رہنے والی حراستیں۔ ملک میں وسیع پیمانے پر کرپشن، بعض ریاستوں میں سیاسی بنیادوں پر لوگوں کو قید میں رکھنے اور ذرائع ابلاغ کے اداروں پر سینسر کی پابندیاں اور انہیں پراساں کرنے کے واقعات جاری رہے، ان میں وہ ذرائع ابلاغ بھی شامل ہیں جو حکومت پر تنقید کرتے ہیں۔ بیرونی ممالک سے فنڈنگ وصول کرنے والی کچھ غیر سرکاری تنظیموں کو حکومت کی طرف سے پابندیوں کا سامنا ہے۔ ان میں وہ غیر تنظیمیں بھی شامل ہیں جو حکومت کے نظریے کے مطابق وہ ”قومی مفاد“ کے مطابق نہیں ہیں اور یوں ان تنظیموں کا کام محدود کر دیا جاتا ہے۔ اٹھ ریاستوں میں مذہب کی تبدیلی پر پابندیاں، عصمت دری، گھریلو تشدد، جہیز سے متعلقہ ہلاکتوں، غیرت کے نام پر قتل، جنسی حراسیت اور عورتوں اور بچیوں کے خلاف امتیازی سلوک کے واقعات بدستور سنگین نوعیت کے مسائل ہیں جن کے بارے فوجداری تحقیقات اور جوابدی کا فقدان ہے۔ جوابدہی نہ ہونے کی وجہ سے مذہبی وابستگی، جنسی رجحان اور مقامی باشندوں سمیت ذات اور قبیلے کی بنیاد پر تشدد اور امتیاز بدستور جاری رہا۔

حکومت میں ہر سطح پر غلط کاموں کی جوابدی کا فقدان موجود رہا، جس سے بڑے پیمانے پر قصور وار سزاؤں سے بچتے رہے۔ چند انفرادی واقعات کی تحقیقات اور عدالتی چاہ جوئی کی گئی۔ تاہم قانون کے نفاذ میں نرمی، تربیت یافتہ پولیس افسران کی کمی اور زیادہ کام کے دباؤ اور وسائل کی کمی کے شکار عدالتی نظام کے باعث بہت کم سزائیں دی گئیں۔

ریاست جموں و کشمیر، شمال مشرقی حصوں اور ماؤ نواز علاقوں میں علیحدگی پسند اور دہشت گرد فوجی اہلکاروں، پولیس، سرکاری اہلکاروں اور عام شہریوں کے قتل اور ایذا رسانی کے مرتکب ہوئے اور انہوں نے بچوں کو بھرتی کیا اور انہیں استعمال کیا۔

سیکشن - 1: ایک فرد کی دیانتداری جس میں مندرجہ ذیل سے آزادی شامل ہو:

الف: زندگی سے بے رحمانہ محرومی اور دیگر غیر قانونی یا سیاسی بنیادوں پر ہونے والے قتل

ایسی اطلاعات تھیں کہ حکومت اور اس کے ایجنٹوں نے بے رحمانہ یا غیر قانونی طور پر لوگوں کو قتل کیا جس میں مشتبہ مجرموں اور شورش پسندوں کے ماورائے عدالت قتل کے واقعات شامل ہیں۔

اس سال کے دوران غیر سرکاری ادارہ برائے کانفلکٹ منیجمنٹ کی طرف سے جنوبی ایشیا میں دہشت گردی سے متعلق رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ 2 جون تک 111 شہری، سیکورٹی فورسز کے 15 اہل کار اور 210 شورش پسند ہلاک ہوئے۔ اس ادارے کے اعداد و شمار سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اس سال اگست کے مہینے تک ریاست جموں و کشمیر میں دہشت گردوں کے تشدد کے نتیجے میں 317 اموات ہوئیں جبکہ ایک سال قبل 2016 میں ایسی موات کی تعداد 329 تھی۔

اینکاونٹر کے ذریعے بھی 108 اموات رپورٹ ہوئیں۔ اینکاونٹر کی اصطلاح پولیس یا سیکورٹی فورسز اور مبینہ مجرموں یا تخریب کاروں کے درمیان ایسے مقابلوں کیلئے استعمال ہوتی ہے جس میں مبینہ مجرم یا تخریب کار ہلاک کر دئے جاتے ہیں۔ ایسے اینکاونٹرز میں ہلاک کئے جانے والوں کی یہ تعداد وزارت داخلہ کے 2016-17 کے ڈیٹا کے مطابق انسانی حقوق کے قومی کمشنر NHRC کے تحقیقاتی شعبے کی ملک بھر میں تحقیقات کے نتیجے میں سامنے آئی ہے۔

6 جون کو مدھیہ پردیش میں ایک احتجاج کے دوران پولیس نے چھ افراد کو ہلاک کر دیا۔ مدھیہ پردیش کی حکومت نے پولیس کی کارروائی کی تحقیقات کیلئے ایک رکنی کمشن قائم کیا اور پھر ہلاک ہونے والے ہر شخص کے خاندان کو ایک کروڑ روپے یعنی ایک لاکھ 60 ہزار ڈالر ادا کئے۔ سال کے اختتام تک یہ تحقیقات مکمل نہیں ہوئی تھیں۔

حراست کے دوران ہونے والی اموات کے بارے میں اطلاعات موصول ہوتی رہیں جن میں پولیس کی حراست کے دوران قتل یا اموات ہوئیں۔ مرکزی اور ریاستی حکام کی طرف سے پولیس یا سیکورٹی اہلکاروں پر بعض حالتوں میں ثبوت موجود ہونے کے باوجود مقدمہ نہ چلانے کے فیصلے بدستور ایک مسئلہ رہے۔ جرائم کے ریکارڈز کے قومی بیورو NCRB نے 2016 کے دوران قومی سطح پر حراست کے دوران ہونے والی اموات کے 92 واقعات رپورٹ کئے جن میں مہاراشٹر میں سب سے زیادہ یعنی 16 واقعات رپورٹ ہوئے۔ مدھیہ پردیش اور گجرات میں گیارہ گیارہ اور اتر پردیش میں نو واقعات سامنے آئے۔ ایک میڈیا رپورٹ کے مطابق ”معلومات تک رسائی کے حق“ کی درخواست کے جواب میں انسانی حقوق کے قومی کمشنر NHRC نے بتایا کہ یکم جنوری سے 2 اگست کے دوران پولیس کی حراست میں 74 افراد کی موت واقع ہوئی۔

سپریم کورٹ نے 24 جولائی کو اکتوبر 2016 میں بھارت میں اسلامی طلبا کی ایک غیر قانونی تحریک کے اٹھ مشتبہ ارکان کے قتل کی تفتیش کی پیش رفت کے بارے میں حکومت کے مرکزی تحقیقاتی بیورو یعنی CBI اور مدھیہ پردیش کی ریاستی حکومت سے تازہ معلومات طلب کیں۔ یہ مشتبہ ارکان ہائی سیکورٹی کے ایک قید خانے سے مبینہ طور پر ایک محافظ کو ہلاک کر کے فرار ہو گئے تھے۔ نومبر 2016 میں انسانی حقوق کے قومی کمشنر NHRC نے ریاستی حکومت، پولیس اور قید خانے

انسانی حقوق کی مشق پر ملکی رپورٹ برائے 2017
محکمہ خارجہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ، بیورو آف ڈیموکریسی، ہیومن رائٹس اینڈ لیبر

کے حکام کے خلاف باضابطہ طور پر شکایت کی تھی جس میں یہ شبہ ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ افراد فرار ہونے کی کوشش میں ہلاک نہیں ہوئے تھے بلکہ انہیں حراست کے دوران قتل کیا گیا تھا۔ ہلاک ہونے والوں میں سے ایک کی رشتہ دار نے سپریم کورٹ میں درخواست جمع کرائی تھی جس میں محض ایک رکن پر مشتمل تحقیقاتی کمشن بنانے پر مدھیہ پردیش کی حکومت پر تنقید کی گئی تھی۔

25 اکتوبر کو CBI کی ایک خصوصی عدالت نے سہراب الدین شیخ اور ٹلسی رام پراجاپتی کو اینکاؤنٹر میں ہلاک کرنے کے سلسلے میں مبینہ طور پر ملوث ہونے کے حوالے سے قانون کا نفاذ کرنے والے 16 افسروں کے خلاف فرد جرم عائد کی تھی۔ سہراب الدین شیخ کو دہشت گردی کی روک تھام سے متعلق راجستھان اور گجرات کے مشترکہ سکواڈ نے نومبر 2005 میں مبینہ طور پر احمدآباد کے قریب ایک ہائی وے پر قتل کیا تھا۔ بعد میں پولیس نے مبینہ طور پر اُس کی بیوی کوثر بی اور اس کیس کے ایک کلیدی گواہ ٹلسی رام پراجاپتی کو بھی قتل کر دیا تھا۔ CBI کا کہنا ہے کہ اُن ملزمان کے خلاف باقاعدہ الزامات عائد نہیں کئے گئے تھے جن کی درخواست ممبئی ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں زیر التوا تھی۔

مدراس ہائی کورٹ نے 25 مارچ کو تامل ناڈو حکومت کو حکم دیا تھا کہ وہ ”نمبو“ کی عرفیت سے موسوم شخص رمیش کے خاندان کو دس لاکھ روپے (16 ہزار ڈالر) ادا کرے جو چوری کے شبہے میں پولیس کی حراست کے دوران تشدد کے نتیجے میں 2010 میں ہلاک ہو گیا تھا۔ عدالت نے ہلاک ہونے والے شخص کے خاندان کو معاوضہ ادا نہ کرنے پر تامل ناڈو حکومت کے میونسپل ایڈمنسٹریشن سیکٹری پر 50,000 روپے (800 ڈالر) جرمانہ بھی عائد کیا تھا۔ پولیس کے ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل کی طرف سے اس کیس کی تحقیقات کے نتیجے میں جولائی میں اس بات کی تصدیق ہوئی کہ نمبو کو اُس کی غیر قانونی حراست کے دوران تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور وہ اس کے نتیجے میں ہلاک ہو گیا۔

تلنگانا ریاست پولیس کی حراست کے دوران الگ الگ واقعات میں مبینہ طور پر تین افراد تشدد کے باعث ہلاک ہوئے۔ موہن کرشنا ایک چھوٹے بچے سے مبینہ طور پر جنسی بدسلوکی کے کیس میں 7 اپریل کو حیدرآباد کے بیگم پیت پولیس سٹیشن میں حراست اور تفتیش سے واپسی کے بعد ہسپتال جاتے ہوئے راستے میں دم توڑ گیا۔ 21 اپریل کو ”گنیش“ نامی شخص حیدرآباد کے نزدیک حیات نگر پولیس سٹیشن میں تفتیش کے بعد ہسپتال جاتے ہوئے راستے میں مر گیا۔ اُس پر سڑک پر ”مشتبہ حرکات“ کا الزام تھا۔ پھر 18 مارچ کو بہیم سنگھ حیدرآباد پولیس سٹیشن میں معمولی جھگڑے کے الزام میں تفتیش کیلئے حراست کے دوران جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ ان تمام واقعات میں پولیس نے اس بات سے انکار کیا کہ ان افراد کی زیر حراست تشدد کے بعد موت واقع ہوئی۔ پولیس کا مؤقف تھا کہ وہ پہلے سے بیمار تھے اور بیماری کے باعث اُن کی ہلاکت ہوئی۔

مسلح افواج کے خصوصی اختیارات کا ایکٹ AFSPA ناگا لینڈ، منی پور، آسام اور میزورام کے کچھ حصوں میں نافذ رہا۔ اسی قانون کی ایک شکل ریاست جموں و کشمیر میں بھی نافذ رہی۔ حکومت نے میگھالایا کے آسام کے ساتھ سرحدی علاقے اور اروناچل پردیش کے تین ضلعوں کو بھی مزید دو ماہ یعنی اگست سے اکتوبر تک کیلئے ”حساس“ قرار دیا۔ اگرچہ ناگالینڈ حکومت نے مطالبہ کیا تھا کہ AFSPA کو ریاست سے ہٹا دیا جائے، تاہم مرکزی حکومت نے اس میں دسمبر تک کیلئے توسیع کر دی۔

AFSPA کے تحت اگر مرکزی حکومت کسی ریاست یا یونین کے علاقے کو ”پریشانی والا علاقہ“ قرار دیتی ہے تو سیکورٹی فورسز کو ”امن و امان برقرار رکھنے“ کیلئے طاقت کے بے تحاشہ استعمال کر سکتی ہے اور کسی بھی ایسے شخص کو وجہ بنائے بغیر گرفتار کر سکتی ہیں جس کے خلاف انہیں مناسب حد تک شبہ ہو یہ قانون سیکورٹی فورسز کو AFSPA کے تحت اپنے کسی بھی عمل کیلئے سول عدالتی چاہ جوئی سے استثناء فراہم کرتا ہے حالانکہ سپریم کورٹ نے 2016 میں فیصلہ دیا تھا کہ کسی بھی پریشانی والے علاقے میں سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں ہونے والی ہر موت کی باقاعدہ اور جامع تحقیقات کی جائے چاہے یہ ہلاکت کسی عام شہری کی ہو یا کسی دہشت گرد کی۔ سپریم کورٹ نے یہ بھی کہا تھا کہ قانون کو برابری کی سطح پر لاگو کرنا چاہیے۔

AHSPA قانون کی منسوخی کے لیے وسیع پیمانے پر عوامی تائید موجود تھی خاص طور پر ایسے علاقوں میں جہاں تخریب کاری کے حملے کم ہو گئے ہوں۔ انسانی حقوق کی تنظیموں نے بھی کئی برس سے جاری لاتعداد انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی مثالیں دیتے ہوئے مسلسل اس قانون کی منسوخی کا مطالبہ کیا ہے۔ سپریم کورٹ نے مئی پور میں جولائی 1979 سے 2012 کے دوران پولیس، فوج اور میرا ملٹری افواج کی طرف سے مبینہ طور پر کی گئی 1,528 ہلاکتوں میں سے کم سے کم 87 ہلاکتوں کی تحقیقات کیلئے CBI کو پانچ رکنی ٹیم تشکیل دینے کا حکم دیا تھا۔

یہ حکم ہدف بننے والوں کے اہل خانہ اور غیر سرکاری تنظیموں کی طرف سے دائر کی گئی ایک درخواست کے جواب میں دیا گیا۔ انسانی حقوق کے فعال کارکنوں کے مطابق سی بی آئی نے دسمبر کے وسط تک ہدف بننے والے کسی شخص یا گواہوں کو طلب نہیں کیا تھا اور وہ اب تک قتل کے واقعات سے متعلق دستاویزات عدالت سے اور مئی پور کی حکومت سے اکٹھی کر رہی ہے۔ سپریم کورٹ کے فیصلے میں کہا گیا تھا کہ سی بی آئی ہر صورت 31 دسمبر تک فرد جرم عائد کرے۔

غیر سرکاری تنظیم کامن ویلتھ ہیومن رائٹس انی شیٹو نے اپنی 2016 کی رپورٹ میں بتایا کہ AFSPA کے تحت ریاستوں میں مسلح افواج کی طرف سے 2012 اور 2016 کے درمیان رپورٹ ہونے والی انسانی حقوق کی 186 خلاف ورزیوں میں سے 49.5 فیصد جموں و کشمیر میں تھیں۔ تاہم وزارت داخلہ کی طرف سے آر ٹی آئی ایکٹ کے تحت فراہم کئے گئے اعداد و شمار میں یہ نہیں بتایا گیا کہ آیا یہ شکایات حقیقت پر مبنی تھیں یا نہیں۔

27 جون کو گجرات ہائی کورٹ نے اٹل ویدیا کو ضمانت پر رہا کر دیا جو 2002 میں گلبرگ سوسائٹی میں ہونے والی ہلاکتوں میں سزا پانے والے 24 افراد میں سے ایک تھا۔ یہ ہلاکتیں اس وقت ہوئی تھیں جب نسلی فسادات کے دوران ایک پرتشدد ہجوم نے 69 افراد کو ہلاک کر دیا تھا۔ گجرات حکومت نے سپریم کورٹ کی طرف سے مقرر کردہ خصوصی تحقیقاتی ٹیم کو سزا یافتہ 24 افراد کی سزائیں بڑھانے کیلئے سپریم کورٹ میں اپیل داخل کرنے یا 14 دیگر ملزمان کی بریت کو چیلنج کرنے کی اجازت نہیں دی۔ 5 اکتوبر کو گجرات ہائی کورٹ نے گجرات کے اعلیٰ سرکاری اہلکاروں کو بری کرنے سے متعلق ایک نچلی عدالت کے فیصلے کو برقرار رکھتے ہوئے ذکیہ جعفری کی درخواست خارج کر دی۔ گجرات ہائی کورٹ نے ذکیہ جعفری کے ان الزامات کیلئے تحقیقات کے قابل ثبوت موجود نہ ہونے کا حوالہ دیا جن میں ذکیہ نے کہا تھا کہ 2002 کے فسادات کے پیچھے ایک بڑی سازش کارفرما تھی۔ عدالت نے ذکیہ کو اعلیٰ عدالت میں اپیل کرنے کی اجازت دے دی۔

منظم تخریب کاروں اور دہشت گردوں سمیت غیر سرکاری قوتوں نے جموں و کشمیر، شمال مشرقی ریاستوں اور ماؤ نوازوں کے زیر اثر علاقوں میں بے شمار افراد کو قتل کیا اور بم کے حملے کئے۔ (اس کیلئے سیکشن 1.g) دیکھئیے۔ ماؤ نواز لوگوں نے جھاڑکھنڈ اور بہار میں سیکورٹی فورسز اور سڑکوں، ریلوے اور مواصلاتی ٹاورز جیسے انفراسٹرکچر کی تنصیبات پر حملے جاری رکھے۔ ماؤ تخریب کاروں نے 24 اپریل کو چھتیس گڑھ میں ایک قافلے پر حملہ کر کے سینٹرل ریزرو پولیس فورس کے 25 اہلکاروں کو ہلاک اور چھ کو زخمی کر دیا۔

ب. گمشدگیاں

پولیس پر ایسے الزامات موجود تھے کہ وہ زیر حراست افراد کیلئے حراستی وارنٹ پیش کرنے میں ناکام رہی جس کے نتیجے میں سینکڑوں افراد لا پتا ہو گئے اور ان کے بارے میں پتہ نہ چل سکا۔ پولیس اور سرکاری حکام نے ان دعووں کو مسترد کر دیا۔ مرکزی حکومت کا کہنا تھا کہ ریاستی حکومت کی سکریننگ کمیٹیوں نے زیر حراست افراد کے اہل خانہ کو ان کی صورتحال کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔ تاہم ایسی رپورٹیں بھی موصول ہوئیں کہ قیدخانوں کے گارڈز، زیر حراست افراد کی تصدیق کیلئے کبھی کبھی ان کے افراد خانہ سے رشوت طلب کرتے تھے۔ سرکاری فورسز، پیرا ملٹری فورسز اور تخریب کاروں سے منسوب گمشدگیاں اس سال کے دوران تنازعات والے علاقوں میں ہوئیں۔ (اس کیلئے سیکشن 1.g دیکھئیے)۔

ج. تشدد اور دوسرے ظالمانہ، غیر انسانی یا اہانت آمیز سلوک یا سزائیں

قانون تشدد کی اجازت نہیں دیتا مگر غیر سرکاری تنظیموں نے بتایا ہے کہ اس سال کے دوران تشدد روا رکھا گیا۔

پولیس کی مار پیٹ کے نتیجے میں دوران حراست قتل کے واقعات ہوئے۔ (سیکشن 1.a دیکھئیے)۔

قانون حکام کی طرف سے زبردستی جرم قبول کرانے کے بیانات کو ثبوت کے طور پر تسلیم نہیں کرتا۔ تاہم غیر سرکاری تنظیموں اور شہریوں کا دعویٰ ہے کہ حکام نے زبردستی جرم قبول کرانے کیلئے تشدد کو استعمال کیا۔ کچھ واقعات میں حکام نے زبردستی جرم قبول کرانے کے بیانات کو سزائے موت کیلئے ثبوت کے طور پر پیش کیا۔ حکام نے مبینہ طور پر زبردستی بہتہ وصول کرنے یا کسی عدالتی حکم کے بغیر سزائیں دینے کیلئے بھی تشدد کو استعمال کیا۔ انسانی حقوق کے ماہرین کے مطابق حکومت نے افراد کو دہشت گردی کی روک تھام کے منسوخ شدہ ایکٹ اور دہشت گردی اور تخریب کاری سرگرمیوں کے ایکٹ کے تحت حراست میں رکھا اور ان پر فرد جرم عائد کی۔ حکام نے منسوخ شدہ قوانین کے تحت ایک پولیس افسر کے سامنے دیئے گئے اعتراف جرم کے ایک بیان کو عدالت میں ایک قابل قبول ثبوت کے طور پر پیش کیا۔

پرانی اور نادر ایشیا کے ایک ڈیلر ابھے سنگھ 19 جون کو اڑیسہ میں مبینہ طور پر سات دن تک تشدد کئے جانے کے بعد زیر حراست ہلاک ہو گیا۔ پولیس نے ابھے سنگھ کو موبائل فون کی چوری کی تحقیقات کے سلسلے میں 30 مئی کو حراست میں لیا تھا۔ بعد میں پولیس نے اس پر منشیات کے دھندے کا الزام لگا دیا۔ اسے 10 جون کو ہسپتال لایا گیا جہاں اس کی صحت مبینہ طور پر بگڑتی گئی۔ انسانی حقوق کے قومی کمشنر NHRC اور اڑیسہ ریاست کے صوبائی کمشنر برائے انسانی حقوق

SHRC نے ریاستی پولیس کے ہیومن رائٹس پروٹیکشن سیل کو اس واقعے کی تحقیقات کر کے رپورٹ پیش کرنے کا حکم دیا۔ سال کے اختتام تک اس کیس پر کوئی پیش رفت سامنے نہیں آئی۔

18 جولائی کو نچلی ذات کے ایک 19 سالہ شخص کو کیرالا کے تھریسور ضلع کے مقام اینگاڈپور میں گاڑی کی رجسٹریشن کے کاغذات مکمل نہ ہونے پر گرفتار کر لیا گیا۔ اُس نے رہا ہونے کے اگلے روز مبینہ طور پر خود کشی کر لی۔ تاہم اُس کے والد اور دوستوں نے الزام لگایا کہ وہ پولیس کی حراست کے دوران ظلم کا نشانہ بننے کے بعد زخموں سے چل بسا۔ اُس کی پوسٹ مارٹم رپورٹ نے تصدیق کی کہ اسے شدید تشدد کے نتیجے میں چوٹیں آئی تھیں۔ متوفی کے والد کی شکایت پر متعدد پولیس افسروں کے خلاف شیڈولڈ کاسٹ/شیڈولڈ قبائل پر ظلم و ستم کی روک تھام کے قانون کے تحت مقدمہ درج کر لیا گیا۔ اس موت کے حوالے سے دو پولیس افسروں کو معطل کر دیا گیا اور اس کیس کو مزید تحقیقات کیلئے کرائم بیورو کے حوالے کر دیا گیا۔

حراست میں لی جانے والی خواتین اور مردوں سے پولیس کی جانب سے جنسی زیادتی کی اطلاعات مسلسل موصول ہوتی رہیں۔ حکومت نے NHRC کو جنسی زیادتی میں ملوث پولیس افسران کے خلاف تحقیقات کا اختیار دے دیا۔ قانون کے تحت NHRC ایسے کیسز کے بارے میں بھی معلومات طلب کر سکتا ہے جن میں فوجی اور پیرا ملٹری اہلکار ملوث پائے گئے ہوں۔ تاہم اسے ایسے کیسز کی تحقیقات کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ غیر سرکاری تنظیموں کا کہنا تھا کہ NHRC نے دوران حراست پولیس افسروں کی طرف سے کی جانے والی جنسی زیادتیوں کا اندازہ کم تر لگایا۔ جنسی زیادتی کا نشانہ بننے بعض افراد سماجی طور پر شرمندگی اور ممکنہ طور پر بعد میں زیادتی کرنے والوں کی جانب سے انتقام کے خوف سے ان جرائم کی شکایت کرنے پر رضامند نہیں تھے خاص طور پر اگر زیادتی کرنے والے پولیس افسر یا دیگر افسران ہوں۔ اس کے علاوہ احتساب اور نگرانی نہ ہونے سے بھی یہ صورت حال مزید پیچیدہ ہو گئی۔ ایسی اطلاعات بھی ہیں کہ پولیس اہلکار جنسی زیادتی کے مقدمات درج کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔

قید خانوں اور حراستی مراکز میں حالات

قید خانوں کے حالات زیادہ تر حفظان صحت اور صحت کی دیکھ بھال کی صورت حال اور گنجائش سے زیادہ قیدیوں کی موجودگی کے باعث ہلاکت خیز تھے۔ قید خانوں کی صورت حال عالمی معیار کی مطابق نہیں تھی۔

عمومی حالات: قید خانوں میں اکثر گنجائش سے بہت زیادہ قیدی رکھے گئے۔ خوراک، طبی سہولتیں، صحت و صفائی اور ماحولیاتی حالات غیر مناسب تھے۔ پینے کا صاف پانی اکثر دستیاب نہیں تھا۔ قید خانے اور حراستی مراکز مالی وسائل، عملے اور مناسب سہولتوں کی کمی کا بدستور شکار رہے۔ قیدیوں کے ساتھ جسمانی بدسلوکی کی جاتی تھی۔

NRCB کی بھارت کے قید خانوں سے متعلق اعداد و شمار 2015 کے عنوان سے رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ بھارت میں 1,401 جیلیں ہیں جن میں 366,781 قیدیوں کی گنجائش ہے۔ تاہم ان جیلوں میں حقیقتاً 419,623 قیدیوں کو رکھا گیا تھا۔ قیدیوں کی دو تہائی تعداد ایسے افراد پر مشتمل تھی جو مقدمہ شروع ہونے کے منتظر تھے۔ قانون کے تحت کم عمر کے قیدیوں کو بحالی کے مراکز میں رکھا جانا چاہیے۔ تاہم بعض اوقات حکام نے خصوصاً دیہی علاقوں میں انہیں بالغوں کی جیلوں میں رکھا۔ اکثر

اوقات ایسے لوگوں کو سزا یافتہ مجرموں کے ساتھ ہی رکھا گیا جن کے مقدمے ابھی شروع نہیں ہوئے تھے۔ سپریم کورٹ کی طرف سے مقرر کردہ مشیر کے مطابق اتر پردیش میں زیادہ تر جیلوں میں قیدیوں کی تعداد مقررہ تعداد سے دو یا بعض اوقات تین گنا تھی۔

نومبر 2016 میں کامن ویلتھ ہیومن اینی شیٹو نے جیلوں کے ’پریشان کن حالات‘ کے بارے میں دو رپورٹیں جاری کیں۔ رپورٹوں کے مطابق وہ قیدی ملک بھر کی جیلوں کی کل آبادی کا 67 فیصد پائے گئے جو اپنے مقدمات شروع ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ خود مختار نگران باقاعدگی کے ساتھ صرف ایک فیصد جیلوں کا معائنہ کرتے تھے۔

NCRB کی ’بھارت میں جیلوں کے اعدادوشمار 2015‘ کے مطابق مقررہ حد سے زیادہ تعداد کے قیدیوں کی بھرمار تھی۔ دادرا اور نگر حویلی میں ان کی تعداد سب سے زیادہ سنگین تھی جہاں ان کی تعداد گنجائش سے 277 فیصد زیادہ تھی جبکہ چھتیس گڑھ جیل میں قیدی گنجائش سے 234 فیصد زیادہ اور دہلی کی جیلوں میں 227 فیصد تھے۔ 8 اگست کو وزیر مملکت برائے داخلہ ہنس راج گنگارام آپر نے NCRB کے اعداد و شمار کا حوالہ دیتے ہوئے لوک سبھا کو بتایا کہ ملک میں موجود 1,401 جیلوں میں سے 149 میں قیدیوں کی تعداد 2015 کے آخر تک گنجائش سے 200 فیصد سے زیادہ رہی۔

وزیر مملکت برائے داخلہ آپر نے مارچ میں لوک سبھا کو بتایا کہ 2015 میں 17,834 زنانہ قیدیوں کیلئے 4,391 زنانہ جیل سٹاف موجود تھا۔

26 ستمبر کو پولیس نے ممبئی میں ایک زنانہ مجرم قیدی منجولہ شیٹی کی موت کے سلسلے میں جیل کے چھ اہلکاروں کے خلاف مقامی عدالت میں مقدمہ درج کرایا۔ ممبئی پولیس نے 8 جولائی کو ان چھ جیل کے اہلکاروں گرفتار کیا جنہوں نے منجولہ شیٹی کی جانب سے ناکافی شکایت کے بعد اس پر مبینہ طور پر حملہ کیا تھا۔ اس کی ہلاکت کے بعد جیل کے 200 قیدیوں نے پر تشدد احتجاج کیا جن پر بعد میں فساد کرنے کے الزامات عائد کر دئے گئے۔ ممبئی ہائی کورٹ نے 31 جولائی کو منجولہ شیٹی کی ہلاکت کی وجوہات کے بارے میں تحقیقات کرنے کا حکم دیا۔ اس کی موت کا سرٹیفکیٹ جاری کرنے والے سرکاری ڈاکٹر کو معطل کر دیا گیا۔

انتظامیہ: حکام نے ملاقاتیوں کو قیدیوں تک کچھ رسائی فراہم کی اگرچہ بعض قیدیوں کے اہل خانہ نے شکایت کی کہ حکام نے انہیں قیدیوں سے ملنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ شکایت خاص طور پر تنازع کے شکار علاقوں میں سامنے آئی جن میں ریاست جموں و کشمیر بھی شامل ہے۔

تامل ناڈو ریاست کی لیگل سروسز اتھارٹی نے 4 اگست کو تنازعات کے حل کیلئے ایک متبادل میکانزم کے ذریعے مقدمات شروع ہونے سے قبل حراست میں لئے گئے 570 قیدیوں کو رہا کر دیا (یہ قیدی تامل ناڈو کی 9 مرکزی جیلوں اور خواتین کیلئے 5 خصوصی جیلوں سے رہا کئے گئے۔ ان قیدیوں نے اپنے مبینہ جرائم کیلئے مخصوص کی گئی کم سے کم قید سے زیادہ وقت جیل میں گزار لیا تھا۔

غیرجانبدار نگرانی: NHRC کو قیدیوں کی طرف سے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے بارے میں پورے سال کے دوران شکایات موصول ہوتی رہیں جن کے بارے میں اس نے تحقیقات کیں۔ تاہم

سول سوسائٹی کے نمائندوں کا خیال ہے کہ جیلوں کے گارڈز یا اہلکاروں کی طرف سے انتقامی کارروائیوں کے خطرے کے پیش نظر بہت کم قیدیوں نے شکایات درج کرائیں۔ 26 مئی کو NHRC نے بھوپال کی ایک جیل میں مقدمہ شروع ہونے کے منتظر 21 قیدیوں کی طرف سے تشدد کی شکایات کی تحقیقات کا حکم دیا۔

حکام نے قیدیوں کو ریاست یا انسانی حقوق کی تنظیموں کو شکایات درج کرانے کی اجازت دی لیکن ان تنظیموں کے عہدے داروں نے متعلقہ حکام کو ان کی شکایات کے ازالے کی سفارش پر ہی اکتفا کی۔ اسرکاری اہلکار مبینہ طور پر سپریم کورٹ کی طرف سے مرکزی حکومت اور مقامی حکام کو زیر حراست افراد پر تشدد کے واقعات کے حوالے سے تھانوں کی باقاعدہ نگرانی کرنے کے احکام کو نظر انداز کرتے رہے۔

NHRC نے متعدد ریاستوں میں ریاستی جیلوں کا غیر اعلانیہ دورہ کیا۔ تاہم NHRC کا فوجی حراستی مراکز پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ NHRC کے خصوصی نمائندے نے یہ معلوم کرنے کیلئے ریاستی جیلوں کا دورہ کیا کہ کیا وہاں حکام تمام قیدیوں کو طبی دیکھ بھال سہولتیں فراہم کر رہے ہیں۔ خصوصی نمائندے نے سارا سال جیلوں کے دورے کئے لیکن اس نے عوام کو یا پریس کو کوئی رپورٹ جاری نہیں کی۔

د. ناجائز گرفتاری یا حراست

قانون ناجائز گرفتاری یا حراست کی اجازت نہیں دیتا۔ مگر سال کے دوران ناجائز گرفتاریاں اور حراستیں دونوں عمل میں آئیں۔ پولیس نے بھی ایسی گرفتاریوں کے عدالتی جائزوں کو مؤخر کرنے کیلئے سیکورٹی کے خصوصی قوانین کو استعمال کیا۔ مقدمے سے قبل حراست ناجائز اور لمبی تھی۔ بعض اوقات اس کی مدت اس جرم کیلئے تجویز کردہ سزا سے بھی زیادہ رہی۔

انسانی حقوق کی علمبردار غیر سرکاری تنظیموں کے مطابق پولیس نے بعض اوقات ایذا رسانی، غلط برتاؤ اور ناجائز حراست کا سہارا لیا جس کا مقصد جبری اور جھوٹے اعتراف جرم کرانا تھا۔ بعض مقدمات میں پولیس نے مبینہ طور پر مشتبہ افراد کی گرفتاریوں کا اندراج بھی نہیں کیا اور زیر حراست افراد کو کافی خوراک اور پانی سے بھی محروم رکھا۔

پولیس اور سیکورٹی سے متعلق ساز و سامان کا کردار

29 ریاستوں اور 7 یونین علاقوں کے پاس قانون کی بالادستی قائم رکھنے کی بنیادی ذمہ داری ہے جبکہ مرکزی حکومت پالیسی کی نگران ہے۔ پولیس ریاست کے دائرہ اختیار میں ہے۔ داخلہ امور کی وزارت بیشتر نیم فوجی افواج، سراغ رسانی کے داخلی دفاتر اور قانون کا نفاذ کرنے والی قومی ایجنسیوں کو کنٹرول کرتی ہے اور ریاستی پولیس فورس کے سینئر عہدیداروں کو تربیت فراہم کرتی ہے۔

ہیومن رائٹس واچ کے مطابق سیکورٹی فورسز کی جانب سے ناجائز گرفتاریوں، ایذا رسانی اور جبری اقبال جرم کے کیسز بدستور معمول کی بات رہی۔ پولیس مسلسل کام کی زیادتی، کم معاوضے اور سیاسی دباؤ کا شکار رہی اور بعض صورتوں میں اس کی وجہ سے بدعنوانی کو بھی ہوا ملی۔ ہیومن رائٹس واچ کی 2017 کی بھارت کے بارے میں رپورٹ سے معلوم ہوا کہ جرائم کا ارتکاب کرنے

والے افسروں پر شاذ ہی مقدمہ چلایا گیا کیونکہ قانون نے سرکاری عہدیداروں پر مقدمات کو اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور بنا دیا ہے۔

قانون کے اطلاق اور سیکیورٹی افواج کے مؤثر ہونے کی صورت حال ملک بھر میں بہت مختلف رہی۔ قانون کے مطابق عدالتوں کو کسی پولیس اہلکار کے خلاف اس وقت تک کیس نہیں سننا چاہئیے جب تک مرکزی یا ریاستی حکومتیں پہلے ایسے مقدمے کی اجازت نہ دیں۔ تاہم غیر سرکاری تنظیموں نے اطلاع دی ہے کہ متعدد ایسی مثالیں موجود ہیں جب پولیس نے متاثرہ افراد کی طرف سے افسروں کے جرائم کے خلاف رپورٹوں کے درج کرنے سے ہی انکار کر دیا جنہیں عرف عام میں ایف آئی آر یعنی فرسٹ انفارمیشن رپورٹ کہا جاتا ہے۔ اس طرح جرائم کا شکار ہونے والے افراد کیلئے انصاف کے حصول کو موثر طور پر روک دیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ غیر سرکاری تنظیموں نے یہ اطلاع بھی دی ہے کہ زیادتی یا جرم کا شکار ہونے والے افراد بعض اوقات اس لئے بھی رپورٹ درج کرانے سے ہچکچاتے ہیں کیونکہ انہیں انتقامی کارروائی کا خدشہ ہوتا ہے۔ تمام سطحوں پر مختلف افسروں کے خلاف مقدمے تو تھے لیکن انہیں ان سے استثناء حاصل تھا۔ لیکن سیکیورٹی عہدیداروں کے ایسے کیس بھی موجود تھے جن کا غیر قانونی کارروائیوں کی وجہ سے احتساب ہوا۔ فوجی عدالتوں نے مسلح افواج اور پیرا ملٹری فورسز کی طرف سے کی جانے والی زیادتیوں کے مقدمات کی چھان بین کی۔ حکام نے سرکاری عدالتوں میں قانون نافذ کرنے والے افسروں کے خلاف مقدمات چلائے لیکن بعض اوقات مناسب طریق کار استعمال نہ ہوا۔ حکام نے بعض اوقات جرائم کا ارتکاب کرنے کے نتیجے میں قصور وار قرار دئے جانے والے افراد کو تبدیل کر دیا۔

NHRC نے سفارش کی کہ ریاستی پولیس کا چھان بین کرنے والا شعبہ پولیس کی تلاش، گرفتاری یا پھر فرار کی کوشش کے دوران ہونے والی اموات کی چھان بین کرے۔ بیشتر ریاستوں نے اس سفارش پر ، جس کی پابندی لازمی نہیں تھی ، عمل نہیں کیا اور اعلیٰ افسروں کی صوابدید پر داخلی سطح پر جائزوں کا اہتمام جاری رکھا۔

NHRC کے راہنما خطوط یا لائحہ عمل میں سرکاری حکومتوں پر زور دیا جاتا ہے کہ وہ پولیس کارروائی کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتوں کے بارے میں 48 گھنٹے کے اندر اندر NHRC کو مطلع کریں۔ تاہم ریاستی حکومتوں نے ایک تسلسل کے ساتھ ان راہنما خطوط یا قواعد و ضوابط کی پابندی نہیں کی۔ NHRC نے ریاستی حکومتوں پر زیادتی کا شکار ہونے والوں کے خاندانوں کو معاوضہ ادا کرنے پر بھی زور دیا۔ لیکن ریاستی حکومتوں کی جانب سے پابندی کے ساتھ اس پر عمل نہیں ہوا۔ حکام نے مسلح افواج کی حراست کے دوران ہونے والی اموات کی اطلاع NHRC کو دیناے کو ضروری قرار نہیں دیا۔

آرٹڈ فورسز ٹریبونل نے 27 جولائی کو فوج کے 5 اہل کار ونکی عمر قید کو معطل کر دیا جو ریاست جموں و کشمیر کے تین شہریوں کی 2010 میں ہونے والی ہلاکتوں میں ملوث تھے یہ شہری مبینہ طور پر ایک جعلی مقابلے میں ہلاک کئے گئے اور بعد میں ان پر غیر ملکی عسکریت پسند ہونے کا الزام عائد کر دیا گیا۔

گرفتاری کا طریق کار اور قیدیوں سے برتاؤ

انسانی حقوق کی مشق پر ملکی رپورٹ برائے 2017
محکمہ خارجہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ، بیورو آف ڈیموکریسی، ہیومن رائٹس اینڈ لیبر

پولیس کسی بھی فرد کو 30 روز تک الزام عائد کئے بغیر اپنی حراست میں رکھ سکتی ہے اگرچہ گرفتار کئے گئے شخص کو 24 گھنٹوں کے اندر کسی جج کے سامنے پیش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ وسائل کی کمی اور کام کے بوجھ تلے دبے عدالتی نظام اور قانونی تحفظات کے فقدان کے باعث گرفتار افراد کی لمبے عرصے تک غیر قانونی حراست بدستور ایک نمایاں مسئلہ رہی۔

گرفتار افراد پر فرد جرم 24 گھنٹوں کے اندر اندر عائد کرنا ضروری ہے بشرطیکہ حکام نے ان افراد کو کسی امتناعی حراستی قانون کے تحت حراست میں نہ لیا ہو۔ ریاستی حکام نے امتناعی حراستی قانون کو دہلی میں سب سے زیادہ لیکن گجرات، مہاراشٹر، اتر پردیش، پنجاب اور جموں و کشمیر میں بھی لاگو کیا۔

حکام کیلئے ضروری ہے کہ وہ جرائم کے الزامات میں گرفتار کئے گئے افراد کو جلد سے جلد اُن کے خلاف جرائم کے بارے میں آگاہ کریں اور بتائیں کہ اُن کے پاس قانونی مشاورت کا حق موجود ہے۔ قانون کے مطابق یہ ممکن ہے کہ مجسٹریٹ کسی ملزم پر باقاعدہ الزامات دائر ہونے تک حراست میں رکھنے کی اجازت دے دے لیکن باقاعدہ الزامات دائر کرنے کے لئے 90 روز سے زائد کا وقت نہیں ہوتا۔ قانون پولیس کو یہ اختیار بھی دیتا ہے کہ وہ افراد کو پوچھ گچھ کیلئے طلب کریں لیکن یہ پولیس کو چھان بین سے قبل گرفتاری کی اجازت نہیں دیتا۔ ایسے واقعات بھی ہوئے جب حکام نے زیر حراست مشتبہ افراد کو قانونی حدود سے زیادہ عرصے تک حراست میں رکھا۔

قانون حکام کو اختیار دیتا ہے کہ وہ زیر حراست فرد کو بغیر فرد جرم عائد کئے 180 دن تک عدالتی تحویل میں رکھ سکیں اور اس میں سے 30 دن تک کی پولیس حراست بھی شامل ہے۔ غیر قانونی کارروائیوں کی روک تھام کا قانون (UAPA) حکام کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ ایسے مقدمات میں افراد کو بغیر فرد جرم عائد کئے تحویل میں رکھ سکیں جن کا تعلق بغاوت یا دہشت گردی سے ہوتا ہے۔ اس میں غیر ملکیتوں کی ضمانت نہیں ہو سکتی اور عدالتوں کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ زیر حراست شہریوں کو ضمانت دینے سے انکار کر دیں۔ اس کے تحت ملزم کو قصور وار سمجھا جاتا ہے اگر قانونی کارروائی کے دوران یہ ثابت ہو جائے کہ اس کے پاس ہتھیار یا دھماکہ خیز مواد موجود تھا یا پھر جائے وقوعہ پر اس کی انگلیوں کے نشان پائے جائیں قطع نظر اس کے کہ حکومت نے مجرمانہ مقصد یا منشا کا تعین نہیں کیا۔ ریاستی حکومتوں نے UAPA کے تحت باضابطہ الزامات دائر کرنے سے قبل مبینہ طور پر افراد کو لمبے عرصے کیلئے بغیر ضمانت کے تحویل میں بھی رکھا۔

قانون مخصوص کیسز میں پیش بندی کے طور پر گرفتاری کی اجازت دیتا ہے۔ نیشنل سیکورٹی ایکٹ پولیس کو اجازت دیتا ہے کہ وہ ملک میں کسی بھی جگہ سے ایسے افراد کو حراست میں لے سکتی ہے جنہیں سلامتی کیلئے خطرہ سمجھا جا رہا ہو۔ ریاست جموں و کشمیر میں بغیر کسی الزام یا مقدمے کے ایک سال تک زیر حراست رکھا جا سکتا ہے قانون کے تحت خاندان کے ارکان اور وکلاء کو قومی سلامتی کیلئے خطرہ سمجھے جانے والے قیدیوں سے ملاقات کی اجازت ہے اور حکام سے متقاضی ہے کہ وہ گرفتار کئے جانے والے شخص کو پانچ روز کے اندر یا مخصوص حالات میں 10 سے 15 روز کے اندر گرفتاری کی وجوہات سے مطلع کرے۔

پبلک سیفٹی ایکٹ کا اطلاق صرف ریاست جموں و کشمیر پر ہوتا ہے اور اس کے تحت ریاستی حکام کو اجازت ہے کہ وہ افراد کو دو سال تک کسی الزام یا قانونی کارروائی کے بغیر حراست میں رکھیں اور خاندان کے ارکان کو بھی ملنے کی اجازت نہ دیں۔ حکام نے پوچھ گچھ کے دوران قیدیوں کو وکلاء تک رسائی کی اجازت دی لیکن جموں و کشمیر میں پولیس نے مبینہ طور پر باقاعدگی سے ناجائز گرفتاریاں کیں اور قیدیوں کو وکلاء تک رسائی دینے اور طبی سہولتیں فراہم کرنے سے

ملزموں کو مفت قانونی مدد کا حق حاصل ہے جس میں گرفتاری کے بعد اُن کی پہلی سماعت بھی شامل ہے۔ اٹین واضح کرتا ہے کہ ریاست کیلئے ضروری ہے کہ وہ انصاف کے حصول کیلئے قانونی مدد فراہم کرے اور کسی بھی شہری کو مالی یا کسی اور مسئلے کی وجہ سے ان سہولتوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن حکام نے منظم طور پر اس ضرورت کا تعین نہیں کیا۔

ایسے کیسز کے بارے میں بھی معلوم ہوا ہے جہاں پولیس نے مشتبہ افراد کو قانونی مشاورت کے حق سے محروم کیا اور ایسے بھی کیسز ہیں جہاں پولیس نے غیر قانونی طور پر مشتبہ افراد کی بات چیت سنی اور یوں ذاتی معلومات کو خفیہ رکھنے کے حقوق کی خلاف ورزی کی۔ قانون کے تحت حکام کو خاندان کے ارکان کو قیدیوں سے ملنے کی اجازت دینی چاہئے۔ لیکن اس کی ہمیشہ پابندی نہیں کی گئی۔

ناجائز گرفتاری: قانون کے تحت ناجائز گرفتاری یا حراست کی ممانعت ہے۔ لیکن بعض اوقات پولیس نے مبینہ طور پر شہریوں کو قانونی جواز کے بغیر یعنی ناجائز طور پر گرفتار کرنا جاری رکھا۔ ایسے بھی واقعات کا پتہ چلا ہے کہ پولیس نے افراد کو اپنی شناخت دیئے بغیر یا وارنٹ گرفتاری کے بغیر پوچھ گچھ کیلئے حراست میں لیا۔

مقدمے سے قبل حراست: ریاست کیرالہ کے شہر کوچی میں آئینی حقوق، ریسرچ اور ایڈووکیسی کے مرکز (CCRRA) نے اطلاع دی ہے کہ کیرالہ کی مرکزی جیل میں ذہنی معذوری کے شکار مخصوص قیدیوں کو جنہیں ”مقدمے کے قابل“ نہیں سمجھا گیا تھا، 10 سے لیکر 26 سال تک مقدمے کا انتظار کرنا پڑا۔ غیر سرکاری تنظیم کے مطابق بعض کیسز میں زیر حراست قیدیوں کو اُن کی ممکنہ سزاؤں کی مدت سے بھی زیادہ عرصے تک حراست میں رکھا گیا۔ 2013 میں CCRRA کے بانی نے کیرالہ ہائی کورٹ میں اُن قیدیوں کی رہائی کیلئے درخواست داخل کی۔ عدالت نے جواب میں حکم دیا کہ ریاستی حکومت اُن قیدیوں کا طبی علاج معالجہ کرائے تاکہ وہ مقدمے کے اہل قرار دیئے جا سکیں۔ آخر تک یہ کیس کیرالہ ہائی کورٹ میں زیر التوا تھا۔

حکومت نے لمبے عرصے کی گرفتاریوں اور جیلوں میں افراد کی زیادہ تعداد کو کم کرنے کی کوششیں جاری رکھنے کے لیے ”سرعت سے کام کرنے والی عدالتوں“ کو استعمال کیا جہاں مقدمات کیلئے حتمی مدت کا تعین کیا گیا، کیس کیلئے ہدایات جاری کی گئیں اور ضمانت کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ بعض غیر سرکاری تنظیموں نے ان عدالتوں پر اس بنا پر تنقید کی کہ وہ جائز طریق کار اختیار کرنے میں ناکام رہیں اور ضمانت کا بندوبست نہ کرنے والے افراد کو بدستور زیر حراست رکھا۔

NCRB کے 2015 کے اعدادوشمار سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدمے کے منتظر بیشتر افراد کو ضمانت ملنے سے قبل تین ماہ سے زائد عرصہ جیل میں گزارنا پڑا اور تقریباً 65 فیصد کو ضمانت پر رہائی

سے قبل تین ماہ سے لیکر 5 سال تک کا عرصہ جیل میں گزارنا پڑا۔ NCRB کی 2016 کی رپورٹ میں تازہ ترین اعدادوشمار شامل نہیں ہیں۔

د۔ منصفانہ عوامی مقدمے سے محروم کرنا

قانون آزاد عدلیہ فراہم کرتا ہے۔ تاہم وسیع پیمانے پر عدالتی بدعنوانی موجود تھی۔ مثال کے طور پر مئی میں روزنامہ 'دی ہندو' نے 5 ججوں کے کیس کے بارے میں خبر دی جو مختلف جرائم کی پاداش میں مواخذے کی کارروائی کا سامنا کر رہے تھے۔ ان میں بدعنوانی کے الزامات بھی شامل تھے۔

عدالتی نظام پر بدستور ضرورت سے زیادہ بوجھ رہا اور مقدمات کو نمٹانے کے جدید نظاموں کا بھی فقدان تھا جس کی وجہ سے اکثر انصاف میں تاخیر ہوئی یا پھر انصاف سے یکسر انکار ہو جاتا رہا۔ سپریم کورٹ کی طرف سے جاری 16-2015 کے اعدادوشمار کے مطابق ملک کی 24 ہائی کورٹس میں 43 فیصد ججوں کی اسامیاں خالی تھیں۔

RTI کے کارکن امیت جیتھوا کو 2010 میں قتل کیا گیا۔ اس سلسلے میں کچھ پیش رفت سامنے آئی۔ جون میں گجرات ہائی کورٹ نے اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد دوبارہ مقدمہ چلانے کا حکم دیا کہ اُس وقت پارلیمان کے ایک رکن دینو سولنکی نے جس پر سولنکی کے قتل کا حکم دینے کا الزام تھا، مقدمے کے دوران 195 میں سے 105 گواہوں کے مخالف ہو جانے کے بعد ان کے ساتھ جعلسازی کی۔ سپریم کورٹ نے 30 اکتوبر کو سولنکی کی ضمانت منسوخ کر دی اور حکم دیا کہ وہ خود کو پولیس کے حوالے کر دے۔ عدالت نے یہ بھی حکم دیا کہ مقدمے کی کارروائی روزانہ کی بنیاد پر ہو اور ہدایت کی کہ سولنکی اُس وقت تک گجرات میں نہ آئے جب تک کیس میں اُس کی ضرورت نہ ہو۔

مقدمے کا طریق کار:

قانون کھلے مقدمے کی ہدایت دیتا ہے سوائے اُن مقدمات کے جن میں سرکاری راز یا ریاستی سیکورٹی کا معاملہ درپیش ہو۔ مدعا علیہ کو UAPA کے تحت بیان کئے گئے کیسز کے سوا جرم ثابت ہونے سے قبل بے گناہ سمجھا جاتا ہے اور وہ اپنے وکیل کا خود انتخاب کر سکتا ہے۔ ریاست اُن مدعا علیہ افراد کو مفت قانونی خدمات فراہم کرتی ہے جو اس کا خرچہ برداشت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ تاہم حالات نے اکثر قابل وکیلوں تک رسائی محدود کر دی اور نتیجتاً معمول سے زیادہ مقدمات کے بوجھ تلے دبے عدالتی نظام میں مقدمات طویل تاخیر کا شکار ہوتے رہے اور بعض اوقات مقدمات کا فیصلہ ہونے میں ایک دہائی سے بھی زیادہ وقت لگا۔

اگرچہ مدعا علیہان کے پاس اس بات کا حق ہے کہ وہ الزام عائد کرنے والوں کا سامنا کریں اور اپنی شہادتیں پیش کر سکیں لیکن بعض اوقات مدعا علیہان نے مناسب قانونی نمائندگی نہ ہونے کی وجہ سے اس حق کو استعمال نہیں کیا مدعا علیہان کے پاس اس بات کا بھی حق ہے کہ وہ شہادت نہ دیں یا پھر اپنے قصور کا اعتراف کر لیں۔ عدالتوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ سر عام سزاؤں کا اعلان کریں اور عدالتی نظام کی کئی سطحوں پر اپیل کرنے کے مؤثر طریقے موجود ہیں۔

سیاسی قیدی اور زیر حراست افراد

سیاسی قیدیوں اور زیر حراست افراد کے بارے میں بھی اطلاعات ملیں۔ غیر سرکاری تنظیموں نے اطلاع دی کہ ریاست جموں و کشمیر میں پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت سیاسی قیدیوں کو رکھا گیا اور عارضی طور پر افراد کو حراست میں بھی لیا گیا۔ پبلک سیفٹی ایکٹ (PSA) کے تحت ریاست جموں و کشمیر کی ریاستی حکومت نے جون تک 650 ایسے کیسز کا اندراج کیا اور انہیں جموں و کشمیر ہائی کورٹ میں پیش کیا گیا۔

سول عدالتی طریق کار اور حل

افراد یا پھر افراد یا گروپوں کی ایماں پر غیر سرکاری تنظیمیں کسی بھی ہائی کورٹ یا براہ راست سپریم کورٹ میں پبلک انٹرسٹ لیٹی گیشن (PIL) کا اندراج کرا سکتی ہیں اور لوگوں کو ہونے والے نقصان کا عدالتی حل تلاش کر سکتی ہیں۔ شکایات میں کسی سرکاری نمائندے کی طرف سے سرکاری فرائض میں غفلت یا آئینی شقوق کی خلاف ورزی کے معاملات شامل ہیں۔ غیر سرکاری تنظیموں نے پبلک لیٹی گیشن کی درخواستوں کے ذریعے سرکاری اہلکاروں کو بدعنوانی اور جانبداری کے الزامات کے کیسز میں سول سوسائٹی کی تنظیموں کے سامنے جوابدہ بنایا۔

جنوری 2016 میں ممبئی ہائی کورٹ نے 2014 سے 2015 کے دوران پولیس کی حراست کے دوران ہونے والی اموات اور ایذا رسانی کے واقعات میں دگنا اضافہ دیکھا اور مہاراشٹر حکومت کو ہدایت کی کہ وہ اس سلسلے میں عدالت کو رپورٹ پیش کرے۔ عدالت نے حکومت کی ناکامی پر تنقید کی کہ وہ پولیس سٹیشنوں پر کلوزڈ سرکٹ ٹیلی ویژن کیمرے نصب نہیں کر پائے۔ جنوری میں مہاراشٹر حکومت نے عدالتی حکم کے پہلے حصے کی تعمیل کرنے کیلئے ممبئی کے 91 پولیس سٹیشنوں میں سے 25 سٹیشنوں پر کلوزڈ سرکٹ ٹیلی ویژن کیمرے نصب کرنے کیلئے دو کروڑ 75 لاکھ روپے (چار لاکھ 40 ہزار ڈالر) کی رقم مختص کی۔

ف۔ پرائیویسی، خاندان، گھر یا خط و کتابت میں ناجائز یا غیر قانونی مداخلت

آئین اگرچہ پرائیویسی کے مخصوص حق کی وضاحت نہیں کرتا، سپریم کورٹ نے اسے آئین کی دیگر شقوق کے اندر مخفی پایا۔ سپریم کورٹ نے اگست میں فیصلہ دیا کہ حکومت کی طرف سے افراد کی بائیوگرافی سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے حوالے سے پرائیویسی کا احترام ایک ”بنیادی حق“ ہے۔ یہ قانون بعض استثنائی حالتوں کے علاوہ ناجائز مداخلت کی ممانعت کرتا ہے۔ حکومت نے عمومی طور پر اس قانون کا احترام کیا اگرچہ بعض مرتبہ حکام نے شہریوں کی پرائیویسی میں مداخلت کی۔ قانون تقاضا کرتا ہے کہ تلاشی اور قبضے میں لینے کے اقدامات کیلئے پولیس وارنٹ حاصل کرے۔ اس میں صرف ان کیسز میں استثناء حاصل ہے جن میں ایسے اقدامات کی وجہ سے غیر ضروری تاخیر کا امکان ہو۔ ایسی حالتوں میں پولیس کیلئے لازمی ہے کہ وہ متعلقہ جرم کے دائرہ اختیار کے ساتھ کسی قریبی مجسٹریٹ کو تحریری طور پر وارنٹ کے بغیر کی گئی تلاشی کا جواز پیش کرے۔

قانون نے انٹرنیٹ کے ذریعے نگرانی کے حوالے سے شفافیت اور احتساب کے عمل کو متاثر کیا۔ NCRB کے 2016 کیلئے عبوری اعداد و شمار کا حوالہ دیتے ہوئے ایک سرکاری رپورٹ کے مطابق داخلہ کے وزیر مملکت اہیر نے 2015 میں 9 اندراج شدہ کیسز کے مقابلے میں 2016 کے دوران ہونے والے قانون کی خلاف ورزی کے 30 واقعات کی نشاندہی کی۔

مرکزی اور ریاستی حکومتوں دونوں نے قانونی اختیار کے تحت دو طرفہ بات چیت کی جاسوسی کی۔ اس سلسلے میں حالیہ ترین معائنہ پرائیویسی کے بارے میں ماہرین کے گروپ کا اجلاس تھا جس کا اہتمام بھارتی حکومت کے پلاننگ کمشن نے 2012 میں کیا۔ اس میں بتایا گیا کہ دونوں قوانین میں اختلافات نے ایک غیر واضح ریگولیٹری نظام کو جنم دیا جو ”متناقض، غیر شفاف اور غلط استعمال کی ترغیب دینے والا ایسا نظام ہے جو متاثرہ افراد کو کوئی حل یا معاوضہ فراہم نہیں کر سکتا۔“

UAPA بغیر وارنٹ کے تلاشی لینے کا اختیار دینے والا ایک اور قانونی نظام ہے۔ UAPA بھی دہشت گردی کے واقعات میں دو طرفہ بات چیت کی جاسوسی سے حاصل شدہ ثبوت کے استعمال کی اجازت دیتا ہے۔ جموں و کشمیر، پنجاب اور منی پور ریاستوں میں سیکیورٹی اہلکاروں کو وارنٹ کے بغیر تلاشی اور لوگوں کو حراست میں لینے کا خصوصی اختیار حاصل ہے۔

2005 کے چھتیس گڑھ سپیشل پبلک سیکیورٹی ایکٹ (CSPSA) کے تحت پولیس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی شخص کو بغیر الزامات عائد کئے 90 روز تک حراست میں رکھ سکتا ہے۔ اس قانون کے مخالفین نے یہ جواز پیش کیا کہ اس قانون نے جو افراد کی ”قانون کی عملداری میں رکاوٹ پیدا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے“ پرائیویسی اور آزادی اظہار کی خلاف ورزی کی حکومت نے CSPSA کو استعمال کرتے ہوئے دو صحافیوں کو حراست میں لیا۔ ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ نکسل تخریب کاروں کی طرف سے پولیس پر ہونے والے مہلک حملوں میں ملوث تھے؛ ذرائع ابلاغ کی کچھ رپورٹوں کے مطابق حکام نے انہیں جیل بھیج دیا کیونکہ انہوں نے اس حملے کے بارے میں رپورٹنگ کی تھی۔ دونوں میں سے ایک صحافی کو مقامی عدالت نے جولائی 2016 میں بری کر دیا۔ 27 فروری کو سپریم کورٹ نے چھتیس گڑھ بستر ڈسٹرکٹ سے تعلق رکھنے والے فری لانس صحافی سنتوش یادو کو ضمانت پر رہا کر دیا جسے مبینہ طور پر ماؤ تخریب کاروں کے ساتھ رابطوں کی وجہ سے CSPSA اور غیر قانونی کارروائیوں کی روک تھام کے ایکٹ (UAPA) کے تحت جیل میں بند کر دیا گیا تھا۔

ک. اندرونی تنازعے کے غلط استعمال

ملک کی مسلح افواج، انفرادی ریاستوں کی سیکیورٹی فورسز اور پیرا ملٹری فورسز متعدد شمالی مشرقی ریاستوں کے تخریب کار گروپوں کے علاوہ ملک کے شمالی، وسطی اور مشرقی حصوں میں ماؤ نواز تخریب کاروں کے ساتھ مسلح تنازعات میں ملوث رہیں۔ تاہم ان تنازعات کی شدت میں مسلسل کمی واقع ہوتی رہی۔ فوج اور مرکزی سیکیورٹی فورسز شمال مشرقی علاقوں میں مسلسل تعینات رہیں۔

تنازعے میں شریک تمام فریقین کی طرف سے طاقت کے استعمال کا نتیجہ دونوں فریقوں اور عام شہریوں کی ہلاکت کی صورت میں برآمد ہوا۔ ایسی اطلاعات تھیں کہ سرکاری سیکیورٹی فورسز نے ماورائے عدالت قتل کئے جن میں گرفتار کئے گئے عسکریت پسندوں کی موت کو چھپانے کی غرض سے اینکاؤنٹر شامل تھے۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کا دعویٰ ہے کہ مبینہ طور پر ”اینکاؤنٹرز“ کے ذریعے ہونے والی ہلاکتوں کے بعد پولیس نے مقتول افراد کی لاشیں ورثا کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ حکام نے مسلح افواج کو زیر حراست ہلاکتوں کے بارے میں NHRC کو مطلع کرنے کا پابند نہیں بنایا۔

جولائی میں SHRC نے جموں و کشمیر ریاست کو ہدایت کی کہ وہ ٹیکسٹائل کے ایک کارکن کو دس لاکھ روپے (\$16,000) ادا کرے جسے مئی میں وسطی کشمیر میں فوج کے ایک میجر نے فوجی جیب کے بمپر پر باندھ کر مظاہرین کے خلاف ڈھال کے طور پر استعمال کیا۔ ذرائع ابلاغ کی رپورٹ کے مطابق میجر نیتن گوگوئی نے 9 اپریل کو ہونے والے پارلیمانی ضمنی انتخاب کے دوران ایک برہم مجمع کی طرف سے فوجی اہلکاروں پر حملے سے بچنے کی خاطر اس شخص کو استعمال کیا۔ انسانی حقوق کے کارکنوں نے فوج کے سربراہ بیپن روات کے اُس بیان پر شدید تنقید کی جس میں انہوں نے میجر گوگوئی کے اقدامات کی حمایت کی۔ گوگوئی کو آرمی چیف کے توسیفی کارڈ سے بھی نوازا گیا اور انفرادی طور پر اسے اس اقدام کی کوئی سزا نہ دی گئی۔

مرکزی اور ریاستی حکومتوں اور مسلح افواج نے سرکاری فوج کی طرف سے کی جانے والی زیادتیوں کے بارے میں کچھ شکایات کی چھان بین کی اور سزائیں دیں۔ حکام نے تخریب کاروں کو دہشت گردی سے متعلقہ قوانین کے تحت گرفتار کیا اور ان پر مقدمے چلائے۔

داخلی تنازعات سے رونما ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر برائے نام ہی تحقیقات ہوئیں یا سزائیں دی گئیں۔ غیر سرکاری تنظیموں کا کہنا ہے کہ AFSPA کے تحت حاصل استثناء کے باعث حکام نے گزشتہ برسوں کے دوران جموں و کشمیر میں شہریوں کو قتل کرنے کے واقعات کے حوالے سے مسلح افواج کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا۔

قتل کے واقعات: انسانی حقوق سے متعلق متعدد ملکی اور بین الاقوامی تنظیموں نے جموں و کشمیر میں مظاہرین کے ہجوم کو کنٹرول کرنے کے سلسلے میں سیکورٹی فورسز کی طرف سے پیلٹ گنز کے استعمال پر شدید تشویش کا اظہار کیا۔ 31 جولائی تک وادی کشمیر کے 12 اضلاع میں مبینہ طور پر پیلٹ گنز کے استعمال کے 143 واقعات رونما ہوئے جن میں ایک شہری ہلاک اور 36 زخمی ہوئے۔ اس کے مقابلے میں 2016 میں تمام تر ریاست جموں و کشمیر میں پیلٹ گنز کے استعمال کے 777 واقعات کی اطلاع ملی جن میں سے زیادہ تر واقعات جولائی 2016 میں حزب المجاہدین کے دہشت گرد برہان وانی کے قتل کے بعد ہونے والے پر تشدد ہنگاموں کے دوران سامنے آئے۔ ان واقعات میں 15 شہری ہلاک اور 396 زخمی ہوئے۔ اس سال کے دوران ایک رپورٹ میں ایمنیسٹی انٹرنیشنل نے ملک میں 88 افراد کی نشاندہی کی جن کی بینائی جموں و کشمیر کی ریاستی پولیس اور مرکزی ریزرو پولیس فورس کی طرف سے 2014 سے 2017 کے درمیان دھاتی پیلٹ کی فائرنگ سے جاتی رہی۔ قومی اور بین الاقوامی ذرائع ابلاغ اور غیر سرکاری تنظیمیں پیلٹ گنز کے استعمال سے زخمی ہونے والے افراد کو پہنچنے والی جسمانی اور نفسیاتی تکالیف سے آگاہ کر چکی ہیں۔

ماؤ نواز وں سے متاثرہ علاقوں میں سیکورٹی فورسز اور تخریب کاروں کی طرف سے ظلم و زیادتی کی اطلاعات موصول ہوئیں۔ 29 مارچ کو قبائل سے ملحقہ دو شہری آسام کے چیرانج ڈسٹرکٹ میں سیکورٹی فورسز کے ساتھ اینکاؤنٹر میں مارے گئے بتایا جاتا ہے کہ یہ دونوں افراد نیشنل ڈیموکریٹک فرنٹ آف بوٹولینڈ نامی کالعدم مسلح تنظیم کے ارکان تھے۔ آسام پولیس کی طرف سے درج کی گئی ایک رپورٹ کے مطابق سیکورٹی فورسز کا موقف تھا کہ وہ اس گروپ کی طرف سے بھاری فائرنگ کی زد میں آگئے تھے اور یہ کہ وہ دونوں سیکورٹی فورسز کی جوابی فائرنگ سے ہلاک ہوئے تھے سینٹرل ریزرو پولیس فورس (CRPF) کے انسپکٹر جنرل کی طرف سے کی گئی ایک انکوائری میں بتایا گیا کہ یہ دونوں افراد پہلے ہی سے پولیس کی حراست میں تھے جنہیں ایک قریبی گاؤں میں لے جا کر گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس رپورٹ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سیکورٹی

فورسز نے چینی نشان والے ایک دستی بم سمیت ہتھیار اور گولہ بارود اس علاقے میں رکھ دیا تاکہ اسے بعد میں ثبوت کے طور پر پیش یا جا سکے۔ CRPF نے انسپکٹر جنرل کی رپورٹ کو جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ تاہم اس کی ایک چوری کردہ کاپی آن لائن پر دستیاب تھی۔

ماؤ تخریب کاروں نے 12 مارچ کو نیم فوجی دستوں کے 13 اہلکاروں کو چھتیس گڑھ کے علاقے سوکما کے گاؤں بھیجی میں ہلاک کر دیا۔ 25 اپریل کو ماؤ تخریب کاروں نے چھتیس گڑھ میں ہی نیم فوجی دستوں کے 25 اہلکاروں کو ہلاک کر دیا۔ حملے کے وقت ہلاک ہونے والے یہ سپاہی سڑک کی تعمیر کیلئے سیکیورٹی ڈیوٹی پر موجود تھے۔

اغوا کے واقعات: انسانی حقوق کی تنظیموں کا کہنا تھا کہ فوج، نیم فوجی دستوں اور تخریب کار قوتوں نے منی پور، جھاڑکھنڈ اور ماؤ کے زیر اثر علاقوں سے بے شمار افراد کو اغوا کیا۔ انسانی حقوق کی تنظیموں نے قیدیوں کے ساتھ تشدد اور زیر حراست قتل کے واقعات کی نشاندہی کی ہے۔ اس سال کے دوران ذرائع ابلاغ نے تخریب کار گروپوں کی طرف سے منی پور میں اغوا کے کیسز رپورٹ کئے۔ میڈیا کی رپورٹس کے مطابق منی میں عسکریت پسندوں نے منی پور کے کوکی قبیلے کے تین ارکان کو اغوا کیا اور ان میں سے دو کو مار ڈالا۔ اس واقعے کی ذمہ داری کسی گروپ نے قبول نہیں کی۔ منی پور کے یونائیٹڈ این جی اوز مشن نے جون کے دوران آسام رائفلز، منی پور پولیس اور فوج سمیت سیکیورٹی فورسز کی طرف سے ماورائے عدالت قتل، عصمت دری اور گمشدگیوں کے 291 واقعات کی نشاندہی کی۔

جسمانی تشدد، سزا اور ایذا رسانی: ایسی اطلاعات تھیں کہ سرکاری سیکیورٹی فورسز نے مبینہ تخریب کاروں، دہشت گردوں اور زخمی مظاہرین پر حراست کے دوران تشدد کیا، ان کی عصمت دری کی اور ان سے برا سلوک کیا۔

فوجی بچے: بتایا گیا ہے کہ تخریب کاروں نے سرکاری املاک پر حملوں کیلئے بچوں کو استعمال کیا۔ وزارت داخلہ نے بتایا ہے کہ ماؤ نواز گروپوں نے 6 سے 12 سال تک کے لڑکوں اور لڑکیوں کو مخصوص بچوں کے یونٹس (بال دستہ اور بال سنگھم) میں بھرتی کیا۔ یہ بھرتیاں بہار، جھاڑکھنڈ، چھتیس گڑھ اور اڑیسہ میں کی گئیں۔ ماؤ نواز گروپوں نے بچوں کو لڑائی اور جاسوسی کی کارروائیوں کیلئے استعمال کیا۔ تخریب کاروں نے بچوں کو جاسوسی اور پیغام رسانی کے علاوہ ہتھیار استعمال کرنے، دھماکہ خیز مواد نصب کرنے اور جاسوسی سرگرمیوں کی تربیت دی۔

اقوام متحدہ کم عمر فوجیوں کے بارے میں تمام الزامات کی تصدیق تو نہ کر پائی مگر پارلیمان کو پیش کی گئی رپورٹوں میں اس طرح کے الزامات لگائے گئے۔ ماؤ نواز گروپوں کی جانب سے بچوں کو مبینہ طور پر بھرتی کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ مبصرین نے اطلاع دی ہے کہ 12 سال تک کی عمر کے بچے ماؤ نواز یوتھ گروپوں اور اتحادی ملیشیا کے رکن تھے۔ بچے مبینہ طور پر ہتھیار اور خود ساختہ دھماکہ خیز بم (IEDs) استعمال کرتے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ ماؤ نواز گروپ بچوں کو ان کی رضامندی کے بغیر جبراً اپنے ساتھ رکھتے تھے اور بچوں کو فرار ہونے کی ممکنہ کوشش کے حوالے سے خطرناک نتائج کی دھمکی دیتے تھے جس میں ان کے خاندان کے افراد کو قتل کرنے کی دھمکیاں بھی شامل تھیں۔ ماضی میں ماؤ نواز گروپوں سے وابستہ رہنے والی عورتوں کی بیانات کی بنیاد پر حکومت کا کہنا تھا کہ کچھ ماؤ نواز گروپوں میں عصمت دری اور تشدد کے دیگر طریقوں سمیت جنسی تشدد عام تھا۔ غیر سرکاری تنظیموں نے پولیس ذرائع کے حوالے سے بتایا کہ جھاڑکھنڈ

میں ماؤ نواز گروپ بچوں کو IED ٹریگر ساتھ رکھنے پر مجبور کرتے تھے۔ پولیس نے ٹریگر کرنے والے آلات قبضے میں لینے کیلئے بچوں کے خلاف کارروائی نہیں کی۔

حکومتی ذرائع کے مطابق ماؤ نواز مسلح گروپوں نے سیکیورٹی فورسز کے ساتھ لڑائی کے دوران بچوں کو انسانی ڈھال کے طور پر استعمال کیا۔ متاثرہ علاقوں میں ماؤ نواز گروپوں کی طرف سے اسکولوں پر حملوں کے باعث بچوں کی تعلیم تک رسائی متاثر ہوتی رہی۔ اسکولوں کو فوجی بیرکوں اور اڈوں کے طور پر استعمال کرنے کی اطلاعات مسلسل موصول ہوتی رہیں۔ اسکولوں کے نزدیک سیکیورٹی فورسز کی تعیناتی تشویش کا باعث رہی۔ ایسی اطلاعات بھی موصول ہوئیں کہ چھتیس گڑھ میں مسلح گروپوں نے اسکولوں کے بچوں کو بھرتی کیا۔

لڑائی سے متعلقہ دیگر زیادتیاں: اندرون ملک بے دخلی کی نگرانی کے مرکز کا اندازہ ہے کہ ملک میں لڑائی، تشدد اور قدرتی آفات کے باعث 2016 میں 28 لاکھ افراد بے دخل ہوئے۔

وزیر مملکت برائے داخلہ امور اُبیر نے پارلیمان کے ایوان زیریں کو بتایا کہ ملک میں نقل مکانی کرنے والے رجسٹرڈ کشمیری خاندانوں کی تعداد 62,000 کے لگ بھگ ہے۔ جموں و کشمیر کی ریاستی حکومت نے بتایا کہ وادی کشمیر میں کشمیری پنڈتوں (ہندو) کو اس سال کے دوران دھمکیاں ملیں۔ لڑائی اور پر تشدد کارروائیوں کی وجہ سے 1990 سے دسیوں ہزاروں کشمیری پنڈت فرار ہو کر جموں، دہلی اور ملک کے دیگر علاقوں کی طرف چلے گئے۔ ان پر تشدد کارروائیوں میں کشمیری علیحدگی پسندوں کی طرف سے عبادت گاہوں کو تباہ کرنا، جنسی زیادتی اور ملکیتی اشیاء کی چوری شامل تھیں۔

اس سال کے دوران ریاست جموں و کشمیر نے اُن 31 کشمیری پنڈت مہاجر خاندانوں کو اپارٹمنٹ الاٹ کئے جو 1990 کی دہائی کے دوران وادی کشمیر کو چھوڑ کر نہیں گئے۔ یہ فلیٹ کشمیری مہاجروں کی بحالی کے ایک پروگرام کے تحت مرکزی حکومت کی طرف سے منظوری کے نتیجے میں تعمیر کئے گئے تھے۔

ماؤ تخریب کاروں اور سرکاری فوجوں کے درمیان مرکزی اور مشرقی علاقوں میں قبائلی جنگلی علاقوں کی زمین اور معدنی وسائل کے حصول کیلئے مسلح تنازعہ جاری رہا۔ جنوبی ایشیا کے دہشت گردی سے متعلق پورٹل کے تنازعات سے متعلق نقشے کے مطابق ماؤ نوازوں سے متاثرہ علاقوں میں مدھیہ پردیش، مہاراشٹر، کرناٹک، کیرالہ، تامل ناڈو، آندھرا پردیش، تلنگانہ، اڑیسہ، چھتیس گڑھ، جھاڑکھنڈ، مغربی بنگال، بہار، اتر پردیش اور آسام شامل تھے۔ انسانی حقوق کے علمبرداروں کا کہنا ہے کہ حکومت کے آپریشنز کا مقصد نہ صرف ماؤ نواز افراد کو دبانا تھا بلکہ قبائلی آبادیوں کو اُن کی زمینوں بے دخل کرنا بھی تھا تاکہ نجی شعبے کو ان زمینوں کی خریداری کا موقع فراہم کیا جا سکے۔

2005 میں ماؤ نواز گروپوں کے درمیان ہونے والی لڑائی اور نتیجتاً کالعدم قرار دی گئی سرکاری سرپرستی میں بننے والی ملیشیا 'سلوا جودوم' کے درمیان لڑائی کے دوران بے گھر ہونے والے قبائلی لوگوں کے لیے چھتیس گڑھ میں اندرونی طور پر نقل مکانی کرنے والوں کے کیمپ جاری رہے۔ سال بھر کے دوران ذرائع ابلاغ اور تعلیمی اداروں کی رپورٹوں نے چائے کے کھیتوں میں کام کرنے والے کارکنوں کے خلاف کارپوریشنوں کی زیادتیوں کا ذکر کیا جن میں قانون کی خلاف ورزیاں شامل ہیں۔ بعض واقعات میں کمپنیوں کی طرف سے طبی سہولتیں روک لینے پر تشدد بڑتالیں ہوئیں۔

کمپنیوں کی طرف یہ سہولتیں فراہم کرنا قانوناً لازمی تھا۔ دیگر رپورٹوں میں مطابق کارکنوں کے لیے پینے کے صاف پانی تک رسائی میں مشکلات اور کمپنی کے رہائشی علاقوں سے گزرتے ہوئے گندے پانی کے نالوں کی نشاندہی کی گئی۔

6 جنوری کو NHRC کو معلوم ہوا کہ چھتیس گڑھ پولیس نے 2015 کے دوران بیجا پور ڈسٹرکٹ میں 16 قبائلی عورتوں کی عصمت دری کی۔ NHRC نے ریاستی حکام کو ہدایت کی کہ وہ متاثرہ عورتوں کو معاوضہ ادا کرے اور زیادتی کرنے والوں کے خلاف کارروائی کا آغاز کرے۔ NHRC نے جنسی زیادتی کے ان الزامات کے بارے میں بھی تحقیقات شروع کیں جن کے بارے میں متاثرہ خواتین نے جنوری 2016 میں شکایت کی تھی۔ تاہم سال کے اختتام تک تحقیقات یا معاوضے کی ادائیگی میں کسی پیش رفت کے بارے میں کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔

سیکشن - 2 : شہری آزادیوں کا احترام، جس میں درج ذیل چیزیں شامل تھیں:

الف: پریس سمیت آزادی اظہار

آئین تقریر اور اظہار کی آزادی کی ضمانت دیتا ہے لیکن اس میں واضح طور پر پریس کی آزادی کا تذکرہ نہیں ہے حکومت نے عمومی طور پر ان حقوق کا احترام کیا اگرچہ ایسی مثالیں بھی موجود تھیں جن میں مبینہ طور پر حکومت نے تنقید کرنے والے ذرائع ابلاغ کے اداروں پر دباؤ ڈالا یا انہیں براساں کیا۔

آزادی اظہار: افراد نے کھلم کھلا یا پھر نجی سطح پر حکومت پر باقاعدگی سے تنقید کی۔ تاہم ہیومن رائٹس واچ HRW کے مطابق بعض اوقات بغاوت اور مجرمانہ اعانت کے قوانین کو ان شہریوں پر مقدمات چلانے کیلئے استعمال کیا جاتا رہا جنہوں نے سرکاری عہدیداروں پر تنقید کی یا پھر ریاستی پالیسیوں کی مخالفت کی۔ بعض مخصوص کیسز میں مقامی حکام نے افراد کو سیاسی نظریات کے اظہار کیلئے نفرت آمیز تقاریر کے خلاف موجود قوانین کے تحت گرفتار کیا۔ فریڈم ہاؤس نے زور دے کر اس موقف کا اظہار کیا کہ ملک میں اظہار کی آزادی کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ ادارہ آزادی رائے پر براہ راست حملوں کے خلاف حکومت کی مسلسل خاموشی کی جانب توجہ دلاتا ہے۔ بعض مثالوں میں تو حکومت نے مبینہ طور پر ذرائع ابلاغ کے ان اداروں کیلئے سرکاری اشتہارات کو روکے رکھا جنہوں نے حکومت پر تنقید کی جس کی وجہ سے کچھ اداروں کو خود سے سنسرشپ کا طریق کار اپنانا پڑا۔ میڈیا کے نگران ادارے Th Hoot کی انڈیا فریڈم رپورٹ میں جنوری 2016 سے اپریل 2017 کے درمیان ہونے والے کیسز کی تفصیل بتائی گئی ہے۔ اس کا کہنا ہے، ”مجموعی طور پر آزادی کے محدود ہونے کے بارے میں ایک احساس پیدا ہوا جس کا حالیہ برسوں میں تجربہ نہیں ہوا تھا۔“ رپورٹ میں صحافیوں پر مبینہ طور پر 54 حملوں، کم از کم تین ٹیلی ویژن نیوز چینلز پر پابندی، انٹرنیٹ کے 45 اداروں کی بندش اور افراد اور گروپوں کے خلاف بغاوت کے 45 واقعات کی تفصیلات فراہم کی گئیں۔

12 مارچ کو ریاست تامل ناڈو کی پیریار یونیورسٹی کی ایک گریجویٹ طالبہ کو پولیس نے اُس وقت پکڑا جب وہ حکومت کی طرف سے تیل کی تلاش کے منصوبوں کے خلاف جاری احتجاج کی حمایت میں پمفلٹ تقسیم کر رہی تھی۔ حکومت کے یہ منصوبے پوڈوکوٹائی ڈسٹرکٹ کے مقام نیڈو واسال اور تھنجاوور ڈسٹرکٹ کے کادرامنگلم کے مقام پر تھے۔ پولیس نے غنڈہ ایکٹ کی شق استعمال کی جس کے تحت اسے کسی عادی مجرم کو ایک سال کیلئے کسی ضمانت کے امکان کے بغیر امتناعی

حراست میں رکھنے کا اختیار حاصل ہے۔ وزیر اعلیٰ ایڈیٹری کے پالانسوامی، جن کے پاس وزارت داخلہ کا قلمدان بھی ہے، انہوں نے طالبہ کی حراست کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ ”وہ مختلف احتجاجوں میں شرکت کرتے ہوئے عوامی سطح پر گڑبڑ کا باعث بن رہی تھی۔“

13 ستمبر کو RTI کے ایک فعال کارکن اور انسداد بدعنوانی کی تنظیم کریشک مکتی سنگرم سامیٹی کے صدر اکھیل گوگوئی کو آسام میں اس کے ایک روز بعد بغاوت کے الزام میں گرفتار کیا گیا جب انہوں نے ایک تقریر میں برسر اقتدار بھارتیہ جنتا پارٹی (BJP) کی مختلف پالیسیوں پر نکتہ چینی کی تھی۔ اس کے علاوہ گوگوئی کو حکومت نے ماؤ نواز بھی قرار دیا۔ ان کا کیس سال کے آخر تک جاری رہا۔

پریس اور میڈیا کی آزادی: آزاد میڈیا نے عمومی طور پر وسیع تر نظریات کا اظہار کیا۔ قانون کے تحت ایسے مواد کی ممانعت ہے جس سے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچے یا گروپوں کے درمیان مخاصمت کو ہوا ملے اور حکام نے ان شقوں کو پرنٹ میڈیا، براڈکاسٹ میڈیا اور کتابوں کی اشاعت اور تقسیم پر پابندی لگانے کے لیے استعمال کیا۔

CBI عہدیداروں نے 5 جون کو فراڈ کے الزامات پر NDTV کے بانی پرانویے روئے کی رہائش گاہ اور دفاتر کی تلاشی لی۔ NDTV نے ان چھاپوں کو پریس کی آزادی پر کھلم کھلا سیاسی حملہ قرر دیا۔ دوسرے خبررساں اداروں نے NDTV کی BJP قیادت کے خلاف تنقیدی رپورٹوں کے تناظر میں ان چھاپوں کو سیاسی قرار دیا۔ دی ایڈیٹرز گلڈ آف انڈیا نے ان چھاپوں پر تشویش کا اظہار کیا اور CBI پر زور دیا کہ وہ میڈیا کیلئے آزادی اظہار اور قانون کی بالادستی کے عمل کو قائم رکھے۔ 11 ستمبر کو ہندوستان ٹائمز کے مالک شوبھانا بھارتیہ نے مدیر اعلیٰ بوبی گھوش کو ادارے سے نکالنے کا اعلان کیا۔ گھوش BJP کی قیادت بشمول وزیر اعظم مودی کے ناقد تھے اور وہ ہندوستان ٹائمز کے ”ہیٹ ٹریکر“ کے خالق تھے جس کا تعلق مسلمانوں، دلت، خواتین، لیزبین، گے، بائی سیکشنل، ٹرانس جینڈر اور انٹر سیکس یعنی LGBT اور ایسے دیگر گروپوں سے تھا جن کے خلاف امتیازی رویہ اپنایا جاتا ہے۔

5 نومبر کو کارٹونسٹ جی بالا کو ایک ایسے کارٹون کی اشاعت پر گرفتار کیا گیا جس میں تامل ناڈو کے وزیر اعلیٰ ایڈیٹری کے پالانی سوامی اور ریاستی حکومت کے دوسرے عہدیداروں پر تنقید کی گئی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے فیس بک پیج پر پوسٹ کیا تھا۔ بالا کے اس کارٹون میں دکھایا گیا تھا کہ افسر اپنی امارت اور خوشحالی کیلئے کوشاں تھے بجائے اس کے کہ شہریوں کے مسائل کا حل نکالا جائے۔ پولیس نے تصدیق کی کہ بالا کو گرفتار کیا گیا اور ان پر الیکٹرانک شکل میں نازیبا اور اہانت آمیز مواد چھاپنے کا الزام عائد کیا گیا۔ انہیں 6 نومبر کو ضمانت پر رہا کیا گیا۔

حکومت نے AM ریڈیو سٹیشنوں پر اپنی اجارہ داری برقرار رکھی اور نشریات کو سرکاری ملکیت کے آل انڈیا ریڈیو (AIR) تک محدود کر دیا اور ایف ایم ریڈیو کے لائسنس صرف تفریحی اور تعلیمی مواد تک محدود کر دیئے۔ نجی شعبے کے سیٹلائٹ ٹیلی ویژن نیٹ ورک نے حکومت کے ملکیتی دور درشن کیلئے مقابلے کی فضا بنا دی۔ سرکاری ملکیت کے نشریاتی اداروں میں سیاسی مداخلت کے کچھ الزامات بھی سامنے آئے۔ 15 اگست کو تریپورہ کے وزیر اعلیٰ مانک سرکار نے الزام لگایا کہ دور درشن اور آل انڈیا ریڈیو نے یوم آزادی پر ان کے دیئے جانے والے بیان کو نشر کرنے سے انکار کر دیا۔ ریاستی حکومت نے بعض کتابوں کی درآمد اور فروخت پر ان کے مواد کی وجہ سے پابندی

لگا دی کیونکہ حکومت کے سینسرز کے مطابق یہ اشتعال انگیز تھا اور مذہبی کشیدگی کو ہوا دے سکتا تھا۔

تشدد اور ہراساں کرنا: بعض صحافیوں اور میڈیا کے افراد کو اپنی رپورٹنگ کے حوالے سے مبینہ طور پر تشدد اور ہراساں کیے جانے کا سامنا رہا۔ پریس کونسل آف انڈیا کی ایک ذیلی کمیٹی نے سال کے دوران حکومت کو ایک رپورٹ پیش کی جس کا تعلق پریس کی آزادی کے تحفظ اور صحافیوں کی اپنے پیشے سے دیانتداری سے تھا۔ رپورٹ میں توجہ دلائی گئی کہ 1990 سے لیکر اب تک کم سے کم 80 صحافی ہلاک ہو چکے ہیں اور اس سلسلے میں صرف ایک ہی مقدمے میں سزا سنائی گئی ہے۔

آن لائن اور موبائل فون ہراساں کرنے کے سلسلے میں، خاص طور پر خاتون صحافیوں کے حوالے سے نمایاں طور پر سامنے آئے۔ اور چند فعال خواتین کارکنوں اور صحافیوں نے اطلاع دی کہ انہیں ہر ہفتے ”Trolls“ کی طرف سے ہزاروں کی تعداد میں بدسلوکی پر مبنی نازیبا ٹویٹس موصول ہوتی ہیں۔ HT نے اس مسئلے کی طرف توجہ دلانے کیلئے ایک مہم کا آغاز کر دیا ہے۔

صحافیوں کے تحفظ کی کمیٹی (CPJ) نے صحافیوں پر حملوں کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا۔ مثال کے طور پر CPJ کے مطابق برسر اقتدار جماعت تیلگو دیشم پارٹی سے تعلق رکھنے والے ایک قانون ساز کے حامیوں نے مبینہ طور پر ایک تیلگو روزنامے کے لیے کام کرنے والے ایک رپورٹر پر حملہ کیا۔ یہ واقعہ 5 فروری کو آندھرا پردیش میں پیش آیا۔ اس حملے کی ویڈیو بنا لی گئی تھی اور یہ حملہ مبینہ طور پر مقامی رسالے میں شائع ہونے والی ایک تحقیقاتی رپورٹ کے خلاف انتقامی کارروائی تھی جس میں اس قانون ساز اور اس کے بھائی پر غیر قانونی طور پر ریت کی کان کنی اور بینک قرضوں کی عدم ادائیگی کا الزام لگایا گیا تھا۔

5 ستمبر کو ایک سینئر صحافی اور فعال کارکن گوری لنکیش کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ قتل کی یہ واردات بنگلور میں ان کی رہائشگاہ پر تین حملہ آوروں نے کی۔ کرناٹک حکومت نے ایک خصوصی تحقیقاتی ٹیم بنائی تاکہ اس قتل کی چھان بین کی جائے۔ 11 ستمبر کو اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ہائی کمشنر زید رعد الحسین نے لنکیش کے قتل کے واقعے کو ایک ایسی صحافی کے قتل کے طور پر پیش کیا جس نے فرقہ واریت اور نفرت کے سخت اثرات کا جائزہ لیا۔ اس سلسلے میں کوئی گرفتاری عمل میں نہ آئی اور چھان بین سال کے آخر تک جاری رہی۔

20 ستمبر کو ٹیلی ویژن صحافی شنتو بھومیک کو اس وقت مارا پیٹا گیا اور پھر چھریوں کے وار کر کے ہلاک کر دیا گیا جب وہ پولیس اور تری پورہ کے مقامی باشندوں کے فرنٹ کے درمیان ہونے والی جھڑپوں پر رپورٹنگ کر رہے تھے۔ نیشنل یونین آف جرنلسٹس انڈیا اور دوسروں نے بھومیک کی موت کی مذمت کی اور صحافیوں کو تحفظ فراہم کرنے کیلئے صحافی تحفظ ایکٹ بنانے پر زور دیا۔

3 اکتوبر کو ایک رپورٹ میں رپورٹرز وڈاؤٹ بارڈرز نے اطلاع دی کہ صحافی ڈیکشا شرما کو زیادتی اور موت کی دھمکی کے پیغامات ملے۔ اس رپورٹ میں وہ دھمکیاں بھی شامل تھیں جو ایشین نیوز انٹرنیشنل کے ابھے کمار، دی ہندو کے محمد علی، فرسٹ پوسٹ کے ڈیبوراث گھوس اور این ڈی ٹی وی کے سونال مہروٹڑا کپور کو دی گئیں۔ ان کے علاوہ مزید کئی صحافی بھی ایسی دھمکیوں کا شکار رہے۔

سینسرشپ یا مواد پر پابندیاں: جون میں یونین وزارت برائے اطلاعات و نشریات نے کیرالہ میں ایک فلم فیسٹول کے دوران تین فلموں کو دکھانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ فیٹولز کے موقع پر دکھائی جانے والی فلموں کو سینٹرل بورڈ آف فلم سرٹیفیکیشن (CBFC) سے اجازت یا سرٹیفکیٹ درکار نہیں ہوتا۔ لیکن انہیں وزارت سے سینسر کے استثناء کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تین فلمیں جو ابر لال نہرو یونیورسٹی میں ہونے والے احتجاج، کشمیر میں شورش اور پی ایچ ڈی کے طالب علم فعال کارکن روہیت ورما کی خودکشی سے متعلق تھیں۔

جولائی میں CBFC نے نوبل انعام یافتہ ماہر اقتصادیات امریتا سین کے بارے میں ایک دستاویزی فلم دکھانے کی اجازت نہیں دی۔ میڈیا رپورٹوں کے مطابق CBFC نے دستاویزی فلم کے ان حصوں پر اعتراض کیا تھا جہاں سین نے ’گائے‘، ’گجرات‘، ’ہندو انڈیا‘ اور ’ہندتوا‘ کی اصطلاحات استعمال کی تھیں۔ دستاویزی فلم کی فلم ساز ٹمن گھوش نے CBFC کی ہدایت کے مطابق ان چار لفظوں کو خاموش کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

توبین آمیز تحریروں /گالی گلوچ سے متعلق قوانین: بھارتیہ جنتا پارٹی BJP نے اپریل میں دہلی کے وزیر اعلیٰ اروند کیجری وال کے خلاف شکایت درج کرائی کیونکہ انہوں نے قومی الیکشن کمشن پر ووٹنگ کی مشینوں سے دھاندلی کرنے کا الزام لگایا تھا جس کی وجہ سے ریاست پنجاب کے انتخابات میں کیجری وال کی عام آدمی پارٹی کو انتخابی مقابلے میں شکست ہو گئی تھی۔

قومی سلامتی: سرکاری حکام نے بعض کیسز میں میڈیا کے استعمال والے مواد پر پابندی لگاتے ہوئے ان قوانین کا حوالہ دیا جو قومی مفاد کا تحفظ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ریاست جموں و کشمیر نے سڑکوں پر مسلسل ہونے والے مظاہروں کے بعد 26 اپریل کو انٹرنیٹ سروس فراہم کرنے والوں کو حکم دیا کہ وہ سوشل میڈیا اور فوری پیغامات والی سائٹس کو ایک ماہ کے لئے بلاک کر دیں۔ ان میں فیس بک، واٹس ایپ اور ٹویٹر شامل تھے۔ یہ پہلا موقع تھا جب ریاستی حکومت نے سوشل میڈیا کی انفرادی ویب سائٹس کو بند کیا بجائے اس کے کہ انٹرنیٹ اور ڈیٹا سروس پر پابندی عائد کی جاتی۔

غیر سرکاری اثرات: جون 2016 میں جاری ہونے والے ایک بیان میں اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے خصوصی رپورٹرنے اس خیال کا اظہار کیا کہ فارن کنٹری بیوشن ریگولیشن ایکٹ (FCRA) کی ”شقوق کا بڑھنا ہوا استعمال کیا گیا جس کا مقصد شہری، سیاسی، اقتصادی، سماجی، ماحولیاتی یا ثقافتی ترجیحات کی وکالت کرنے والی تنظیموں کو خاموش کرنا تھا جن کے خیالات حکومت کے خیالات سے مختلف تھے۔“ بیان میں غیر سرکاری تنظیموں کیلئے غیر ملکی بینکوں کے لائسنس کی منسوخی کو اجاگر کیا گیا جن میں گرین پیس انڈیا، لائبرز کولیکٹو اور سب رنگ ٹرسٹ شامل تھے۔ مئی میں ہیومن رائٹس واچ نے اقوام متحدہ کے رکن ملکوں پر زور دیا کہ وہ بھارت سے کہیں کہ وہ ان غیر سرکاری تنظیموں اور دیگر اداروں کو ہدف بنانا ختم کرے جو حکومت اور اس کی پالیسیوں پر تنقید کرتے ہیں۔

انٹرنیٹ کی آزادی

حکومت کی طرف سے انٹرنیٹ تک رسائی میں رکاوٹیں، انٹرنیٹ تک رسائی میں خلل اندازیاں اور آن لائن مواد کی سینسرشپ کی گئی۔ یہ بھی اطلاعات تھیں کہ حکومت گاہے بگاہے ڈیجٹل میڈیا استعمال

کرنے والوں کی نگرانی کرتی ہے جیسا کہ چیٹ روم اور انفرادی بات چیت کیلئے رابطے۔ قانون حکومت کو اختیار دیتا ہے کہ حکومت ان انٹرنیٹ سائٹس اور مواد کو بلاک کر سکتی ہے اور ان پیغامات کو مجرمانہ قرار دے سکتی ہے جو اس کے خیال میں اشتعال انگیز ہیں۔ مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے پاس کمپیوٹر کی معلومات کو بلاک کرنے، روکنے، نگرانی کرنے یا ان کے کوڈ توڑنے کے لئے ہدایات جاری کرنے کا اختیار موجود ہے۔

2015 میں سپریم کورٹ نے انفارمیشن ٹکنالوجی قانون کی ایک شق کو ختم کر دیا تھا جس کے نتیجے میں 2012 سے 2015 کے دوران سوشل میڈیا پاپر شائع ہونے والے مواد کی وجہ سے ہونے والی گرفتاریوں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا تھا۔ سپریم کورٹ نے دوسری شقوں کو قائم رکھا جس میں حکومت کو مخصوص آن لائن مواد بلاک کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ ایک شق حکومت کو بھارت کی خود مختاری اور یک جہتی، بھارت کے دفاع، ریاست کی سلامتی اور بیرونی ملکوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات یا پھر امن عامہ کے مفاد کے تحت آن لائن مواد کو بلاک کرنے کا حکم جاری کرنے کا اختیار دیتی ہے اور اس کیلئے حکومت کو عدالتی منظوری درکار نہیں ہوتی۔

7 اگست کو مواصلات کی مرکزی وزارت نے نئے ضوابط کا اعلان کیا جن میں حکومت کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ کسی ”عوامی ہنگامی صورت حال“ کے دوران یا عوامی سلامتی کیلئے ٹیلی فون اور انٹرنیٹ کی سروسز کو عارضی طور پر بند کر سکتی ہے۔ ماہرین توجہ دلاتے ہیں کہ ان قواعد و ضوابط کا مقصد یہ تھا کہ انٹرنیٹ کو زیادہ منظم انداز میں بند کیا جا سکے لیکن انہوں نے ناجائز سینسرشپ کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ہیومن رائٹس واچ کے مطابق جنوری سے جون تک حکومت نے ملک بھر میں مختلف مقامات پر 20 مرتبہ انٹرنیٹ کو عارضی طور پر بند کیا۔ 2016 میں 31 مرتبہ شٹ ڈاؤن کی اطلاع ملی تھی۔

ریاست جموں و کشمیر میں کئی ہفتوں کے تشدد اور کرفیو کے دوران انٹرنیٹ تک رسائی اور سہولتوں میں اکثر کمی کی گئی اور کبھی کبھی ملک کے دوسرے حصوں میں بھی ایسا ہی کیا گیا۔ ان میں ہریانہ بھی شامل رہا جہاں اگست میں مذہبی فرقے ڈیرہ سچا سودا کے وسیع تر مظاہروں کے دوران انٹرنیٹ سہولتوں میں کمی کی گئی۔ حکومت کا دعویٰ ہے کہ بعض اوقات سوشل میڈیا کی طرف سے تشدد کو ہوا دینے کا عمل روکنے کیلئے انٹرنیٹ تک رسائی محدود کرنا ضروری تھا۔ ہیومن رائٹس واچ کے مطابق حکام بعض اوقات قانونی طریق کار کی پاسداری کرنے میں ناکام رہے اور بعض واقعات میں شٹ ڈاؤن کا حکم غیر ضروری طور پر دیا گیا۔

جولائی میں میڈیا کے نگران ادارے The Hoot نے اطلاع دی کہ 2016 کے پہلے نصف یعنی چھ ماہ کے دوران شٹ ڈاؤن کے واقعات کی تعداد 8 تھی جو اس سال کت پہلے چھ ماہ میں بڑھ کر 23 تک پہنچ گئی۔

جولائی اور اگست میں مرکزی حکومت کی وزارت برائے الیکٹرانکس اور انفارمیشن ٹکنالوجی نے ریاست جموں و کشمیر کی پولیس کی ایک شکایت کی بنیاد پر پر مبینہ طور پر ٹویٹس سے کہا کہ وہ 248 اکاؤنٹ، ٹویٹس اور بیش ٹیگ سے لاحق خطرے کے پیش نظر انہیں بلاک کرے۔ وزارت نے 115 اکاؤنٹس اور ٹویٹس کو، جن میں قابل اعتراض مواد پایا گیا، امن عامہ کے مفاد اور کسی ممکنہ جرم کو روکنے کی خاطر بند کرنے کی درخواست کی۔

سوشل میڈیا پر نازیبا اور توہین آمیز مواد شائع کرنے کی وجہ سے افراد پر فرد جرم عائد کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ مثال کے طور پر بی جے پی نے دہلی کے وزیر اعلیٰ اروند کیجری وال کے خلاف فیس بک پر انتخاب سے متعلق مواد پوسٹ کرنے پر الزام عائد کئے۔ مدھیہ پردیش میں ایک شخص کو مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے الزامات پر گرفتار کیا گیا۔ اُس نے ایک نیک اور صالح شخص کی ایک ایسی تصویر پوسٹ کی تھی جس میں وہ گوشت خرید رہا تھا۔ ہندو قوم پرست یوگی ادتیہ ناتھ کی اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ کے طور پر تقرری کے بعد متعدد تاقدین کو مبینہ طور پر اُن کی سوشل میڈیا پر پوسٹس اور مواد کی وجہ سے فرد جرم عائد کی گئی۔

سینٹرل مانیٹرنگ سسٹم (CMS) نے سرکاری اداروں کو یہ اجازت دینا جاری رکھی کہ وہ جج یا ملزم کو اطلاع دینے بغیر اُن کے الیکٹرانک ابلاغ کی نگرانی کر سکیں۔ CMS وسیع بنیادوں پر الیکٹرانک نگرانی کی ڈیٹا مائننگ کا پروگرام ہے جسے سرکاری سرپرستی میں چلنے والے ٹیلی کمیونی کیشنز ٹکنالوجی کے ترقیاتی مرکز نے انسٹال کیا تھا۔ CMS سیکیورٹی اداروں اور انکم ٹیکس عہدیداروں کو مواصلاتی نیٹ ورک کی وسیع تر رسائی دیتا ہے اور اس سے انہیں یہ صلاحیت حاصل ہوتی ہے کہ وہ موبائل، لینڈ لائن اور سٹلائٹ ٹیلی فون کالز، وائس اوور انٹرنیٹ پروٹوکول اور موبائل فون کالز سن اور ریکارڈ کر سکیں، نجی ای میلز، اور موبائل ٹیکسٹ پیغامات پڑھ سکیں اور اصل وقت میں وگوں کی جغرافیائی موجودگی کا پتہ چلا سکیں۔ حکام اس کے ذریعے عدالتوں یا پارلیمنٹ کے کسی عمل دخل کے بغیر سوشل میڈیا پر ڈالی گئی پوسٹس کی نگرانی کر سکتے ہیں اور اسے استعمال کرنے والوں کے بارے میں یہ بھی پتہ چلا سکتے ہیں کہ وہ سوشل میڈیا پر کن سائٹس پر جاتے رہے ہیں، کیا کیا شیئر کرتے رہے ہیں اور کن کن سرچ انجنز پر کیا کیا سرچ کرتے رہے ہیں۔ نگرانی کی یہ سہولت سیکیورٹی کے 9 اداروں کو دستیاب تھی۔ ان میں انٹیلی جنس بیورو، ریسرچ اینڈ اینلیسز ونگ اور داخلہ امور کی وزارت شامل ہے۔

اگست میں مواصلات کی وزارت کے وزیر مملکت منوج سنگھ نے پارلیمنٹ کے ایوان بالا کو مطلع کیا کہ حکومت نے قانونی طور پر نظر رکھنے کے عمل اور مواصلات کی نگرانی کو خود کار بنانے کیلئے CMS کی تشکیل کا فیصلہ کیا ہے۔ انٹرسیشن اور نگرانی کا قانون نگرانی کا ایک ایسا نظام فراہم کرتا ہے جس سے بغیر اجازت کے انٹرسیشن کو روکا جا سکتا ہے۔ بغیر اجازت انٹرسیشن کی سزا جرمانہ اور زیادہ سے زیادہ تین برس قید کی سزا ہے۔

فریڈم ہاؤس نے اپنی 2016 کی انڈیا کنٹری رپورٹ میں ملک میں انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کے حقوق بشمول رسائی، مواد پر حدود اور انفرادی حقوق کی خلاف ورزی کے حوالے سے ملک کو ”جزوی طور پر آزاد“ قرار دیا۔ فریڈم ہاؤس کے مطابق انٹرنیٹ کی آزادی 2016 میں نسبتاً کم ہوئی اور 2014 اور 2015 میں کی گئی پیش رفت کو نقصان پہنچا۔ اس غیر سرکاری تنظیم نے مقامی حکام کی طرف سے نیٹ ورک بند کرنے کے احکامات کی تعداد میں اضافے کی اطلاع دی۔ رپورٹ میں اُن لائن پوسٹ کے مواد کیلئے انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں پر حملے کرنے کے واقعات قلم بند کئے گئے اور بیان کیا گیا کہ کم سے کم 17 افراد کو وائس ایپ پر جاری کی گئی اطلاعات کے باعث گرفتار کیا گیا۔ ان میں گروپ ایڈمنسٹریٹرز بھی شامل تھے جن کی گرفتاری گروپ کے دوسرے ارکان کی طرف سے مواد شیئر کرنے کی بنیاد پر عمل میں آئی۔

حکام ممکنہ طور پر ممنوعہ مواد کی اشاعت کیلئے سرچ انجنز کو ذمہ دار ٹھہرا سکتے ہیں اور حکومت نے بعض اوقات انٹرنیٹ کمپنیوں سے صارفین کے ڈیٹا کو فراہم کرنے کی بھی درخواست دی۔

فیس بک کی شفافیت کے بارے میں اپریل میں جاری ہونے والی رپورٹ کے مطابق حکومت نے 2016 کی دوسری ششماہی میں ڈیٹا کی فراہمی کیلئے 7,289 درخواستیں دیں اور فیس بک نے ان میں سے 52 فیصد درخواستوں کی تعمیل کی۔ گوگل نے بھی اپنی حالیہ ترین رپورٹ میں حکومت کی طرف سے یوزر ڈیٹا کی فراہمی کیلئے کی جانے والی درخواستوں میں اضافے کی خبر دی ہے۔ یکم جنوری سے 30 جون تک ٹویٹر نے حکومت کی طرف سے 261 اکاؤنٹس کی اطلاعات کی درخواستوں کے بارے میں بتایا جو گزشتہ چھ ماہ کے دوران کی جانے والی درخواستوں سے 55 فیصد زیادہ تھیں اور اکاؤنٹس ختم کرنے کیلئے 102 درخواستیں دی گئیں۔

تعلیمی آزادی اور ثقافتی تقریبات

حکومت نے ملک کے دورے پر آئے غیر ملکی ماہرین اور سکالرز کے سفر اور سرگرمیوں پر کبھی کبھار پابندیاں لگائیں۔ تاہم بیشتر کیسز میں حکومت نے بین الاقوامی تعلیمی کانفرنسوں اور تبادلوں کی حمایت کی اور ویزے جاری کئے۔

تلنگانہ اور آندھرا پردیش میں پولیس نے نچلی ذات دلت کے ماہر تعلیم کانچا ایلائیا شیفرڈ کے خلاف کیسز درج کئے کیونکہ انہیں ویسیا ذات کے گروہوں کی طرف سے شکایتیں موصول ہوئیں کہ ان کی کتاب ”سماجیکا سمگلورلو کومٹولو“ میں کمیونٹی کی عکاسی منفی انداز میں کی گئی تھی۔ 12 ستمبر کو حیدرآباد پولیس نے ویسیا کاسٹ ایسوسی ایشنز اور ایلائیا کی طرف سے ایک دوسرے کے خلاف درج کرائی گئی شکایتوں کے بعد تین کیسز کا اندراج کیا۔ ایلائیا نے نازیبا کالز اور موت کی دھمکیاں وصول ہونے کے بارے میں بھی شکایت کی۔ 19 ستمبر کو آندھرا پردیش کرائمز انویسٹی گیشن ڈپارٹمنٹ نے ایلائیا کے خلاف کیس درج کیا جس کی بنیاد مذہب، مقام اور دوسرے ذرائع سے مختلف گروہوں کے درمیان دشمنی کو فروغ دینے کے الزامات تھے۔ آندھرا پردیش کی پولیس کے ڈائریکٹر جنرل این سمبا سیوا راؤ نے بیان دیا کہ پولیس چھان بین کر رہی ہے کہ آیا اس کتاب پر پابندی لگانے کی ضرورت ہے یا نہیں۔

ب۔ پر امن اجتماع اور تنظیم کی آزادی

قانون پر امن اجتماع اور تنظیم کی آزادی فراہم کرتا ہے اور حکومت عام طور پر ان حقوق کا احترام کرتی ہے۔

پر امن اجتماع کی آزادی

قانون اجتماع کی آزادی دیتا ہے۔ حکام کو پریڈز اور مظاہروں سے قبل اجازت ناموں اور نوٹی فیکیشن درکار ہوتی ہے اور مقامی حکومتوں نے عمومی طور پر پر امن اجتماع کے حق کا احترام کیا ، سوائے ریاست جموں و کشمیر کے ، جہاں ریاستی حکومت نے بعض اوقات علیحدگی پسند سیاسی جماعتوں کو عوامی اجتماع کا اجازت نامہ دینے سے انکار کیا اور بعض اوقات سیکورٹی افواج نے مبینہ طور پر پر امن احتجاج کرنے والے سیاسی گروہوں کے ارکان کو حراست میں لیا اور ان پر حملہ کیا۔ (دیکھئے سیکشن 1-g)۔ ریاست جموں و کشمیر میں سول بد امنی کے دوران حکام نے عوامی اجتماع پر پابندی لگانے اور کرفیو نافذ کرنے کیلئے قانون کا استعمال کیا۔

مقامی پولیس کے ساتھ ساتھ سیکورٹی افواج نے اکثر مظاہروں میں رکاوٹ ڈالی اور مظاہرین کو منتشر کرنے کیلئے طاقت کا ضرورت سے زیادہ استعمال کیا۔

17 سے 23 جنوری تک ہزاروں مظاہرین تامل ناڈو کے کئی حصوں اور چنائی میں جمع ہوئے وہ جلی گٹھ کے روایتی تامل کھیل کو قانونی حیثیت دینے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ یہ بل فائنٹنگ کی ایک قسم ہے جس پر 2014 میں پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ بعض مظاہرین نے الزام لگایا کہ پولیس نے 23 جنوری کو پر امن اجتماعات کو منتشر کرنے کیلئے طاقت کا غیر متناسب استعمال کیا جس کے نتیجے میں ریاست بھر میں بے اطمینانی اور کئی مقامات پر تشدد پھیل گیا۔

بین الاقوامی کانفرنسوں کے اہتمام پر بھی پابندیاں تھیں۔ حکام نے غیر سرکاری تنظیموں سے تقاضا کیا کہ وہ داخلہ امور کی وزارت سے منظوری حاصل کر کے بین الاقوامی کانفرنسوں کا اہتمام کریں۔ حکام نے معمول کے طور پر اجازت دی۔ اگرچہ بعض کیسز میں منظوری کا عمل طویل ثابت ہوا۔ انسانی حقوق کے بعض گروپوں نے دعویٰ کیا کہ اس طریق کار اور عمل کی وجہ سے حکومت کو غیر سرکاری تنظیموں کے کاموں پر کنٹرول ملا اور اجتماع اور تنظیم کی آزادیوں پر پابندیاں لگیں۔

تنظیم سازی کی آزادی

قانون تنظیم سازی کی اجازت دیتا ہے۔ اگرچہ حکومت نے عام طور پر اس حق کی پاسداری کی، غیر ملکی فنڈنگ وصول کرنے والی غیر سرکاری تنظیموں کے خلاف بڑھتے ہوئے ضابطے تشویش کا باعث رہے۔ مثال کے طور پر بعض حالتوں میں حکومت کا تقاضا تھا کہ غیر سرکاری تنظیمیں بیرون ملک سے فنڈنگ حاصل کرنے سے پہلے ”پیشگی اجازت“ لیں جبکہ دیگر مثالوں میں حکومت نے کچھ غیر سرکاری تنظیموں کی FCRA رجسٹریشن یا تو منسوخ کر دی یا پھر ان کی تجدید کرنے سے انکار کر دیا۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق حکومت نے کارروائی کرتے ہوئے غیر ملکی بینکوں کے لائسنس معطل کر دیے یا ایسی غیر سرکاری تنظیموں کے اکاؤنٹ منجمد کر دیے جنہوں نے مبینہ طور پر حکومت سے پیشگی اجازت کے بغیر غیر ملکی فنڈنگ حاصل کی یا پھر غیر ملکی فنڈنگ کو غیر قانونی طور پر اندرون ملک حاصل کی گئی فنڈنگ میں شامل کر دیا۔ انسانی حقوق کی بعض تنظیموں نے دعویٰ کیا کہ ایسی کارروائی کا مقصد بعض اوقات مخصوص غیر سرکاری تنظیموں کو ہدف بنانا تھا۔

حکومت کی طرف سے منظور شدہ فہرست میں شامل کی گئی غیر سرکاری تنظیم کمپین انٹرنیشنل نے مارچ میں اپنا کام بند کر دیا کیونکہ وہ اپنی سرگرمیوں میں شامل شریک اداروں کو فنڈ منتقل نہیں کر سکتی تھی۔ انسانی حقوق سے متعلق غیر سرکاری تنظیم ”دا لایرز کلیکٹو“ 2016 میں FCRA رجسٹریشن کینسل ہونے کے بعد اپنا اندارج کرانے میں ناکام رہی۔ میڈیا رپورٹس میں بتایا گیا کہ وزارت داخلہ نے 10 اپریل کو صحت عامہ کے ایک ایڈووکیسی گروپ پبلک ہیلتھ فاؤنڈیشن آف انڈیا (PHFI) کا لائسنس بھی منسوخ کر دیا۔ PHFI نے حکومت سے لائسنس کی بحالی کی درخواست کی جس پر سال کے اختتام تک حکومت کی طرف سے نظر ثانی کا عمل جاری رہا۔

وزارت داخلہ کے وزیر مملکت کرن ریجیجو نے جولائی میں پارلیمنٹ کے ایوان زیریں کو بتایا کہ ایک ہزار سے زیادہ غیر سرکاری تنظیموں کو غیر ملکی فنڈنگ وصول کرنے سے روک دیا گیا کیونکہ یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ ان فنڈز کا ”غلط استعمال“ کر رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دو ہزار سے

زائد غیر سرکاری تنظیموں سے کہا گیا ہے کہ وہ ایسے بینک اکاؤنٹس کی تصدیق کریں جن کے ذریعے بیرون ملک سے فنڈنگ وصول کی جارہی ہو۔ ان تمام تنظیموں کیلئے FCRA کے تحت اندراج کرانا لازمی ہے جنہیں بیرون ملک سے مالی امداد ملتی ہے۔

غیر سرکاری تنظیمیں مسلسل حکومت کی طرف سے FCRA کے نفاذ کے حوالے سے تشویش کا اظہار کرتی رہیں۔ اس ضابطے کی کچھ شقیں بیرونی ملکوں سے فنڈنگ حاصل کرنے والی غیر سرکاری تنظیموں کو اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے سے روکتی ہیں جن کے بارے میں حکومت کا خیال ہے کہ وہ قومی یا عوامی مفاد کے مطابق کام نہیں کر رہیں۔ یوں کچھ سول سوسائٹی کی تنظیموں کا کام محدود کر دیا گیا۔ کچھ غیر سرکاری تنظیموں نے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ قانون کا اطلاق سیاسی بنیادوں پر کیا جاتا ہے جن کا مقصد ایسی تنظیموں پر دباؤ ڈالنا ہے جو سماجی مسائل پر کام کرتی ہیں یا حکومت اور اس کی پالیسیوں پر تنقید کرتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قانون میں ”عوامی مفاد“ اور ”قومی مفاد“ جیسی وسیع تر اور مبہم اصطلاحات کا استعمال قانون کے غلط استعمال کی راہ ہموار کرتی ہیں۔ کچھ کثیر ملکی اور ملکی کمپنیوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ رجسٹریشن کے طویل اور پیچیدہ مراحل کی وجہ سے بعض اوقات حکومت کی منظور شدہ کارپوریٹ سماجی ذمہ داریوں کو پورا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ماہرین نے یہ بھی کہا ہے کہ نئی غیر سرکاری تنظیموں کیلئے FCRA رجسٹریشن کا حصول مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ اگرچہ حکومت نے درخواست پر کارروائی مکمل کرنے کیلئے 90 دن کی حد مقرر کی ہے، FCRA کی درخواستیں بعض حالات میں مہینوں تک زیر التوا رہیں۔

اپریل 2016 میں اجتماع اور تنظیم سازی کی آزادی کے بارے میں اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندے نے ایک قانونی تجزیہ شائع کیا جس میں کہا گیا کہ FCRA بین الاقوامی قانون، اصولوں اور معیار سے مطابقت نہیں رکھتا۔ جون 2016 میں انسانی حقوق کے دفاع، آزادی اظہار اور اجتماع اور تنظیم سازی کی آزادی سے متعلق اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندے نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ FCRA کو منسوخ کر دیا جائے۔

ج۔ مذہب کی آزادی

محکمہ خارجہ کی ’مذہبی آزادی سے متعلق بین الاقوامی رپورٹ‘ دیکھنے کیلئے مندرجہ ذیل سائٹ پر جائیں:

www.state.gov/religiousfreedomreport/

د۔ نقل و حرکت کیا آزادی

قانون ملک کے اندر نقل و حرکت، بیرون ملک سفر، ترک وطن اور وطن واپسی کی اجازت دیتا ہے۔ حکومت نے عمومی طور پر ان حقوق کا احترام کیا۔ 2015 میں بھارت اور بنگلہ دیش کے درمیان زمینی سرحد بندی کے سمجھوتے کے اطلاق کے نتیجے میں 50 ہزار سے زائد ایسے رہائشیوں کو تعلیم اور صحت کی سہولتیں دی گئیں جو پہلے بے وطن تھے یعنی ان کا کسی ملک سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

ملک میں پناہ گزینوں کی ایک بڑی تعداد آباد ہے۔ ان میں ایک لاکھ 8005 افراد کا تعلق تبت سے ہے جبکہ تقریباً 63,000 سری لنکا سے ہیں۔ حکومت اقوام متحدہ کے پناہ گزینوں سے متعلق ہائی کمشنر کے دفتر (UNHCR) کو اجازت دیتی ہے کہ وہ غیر ملحقہ ممالک اور برما سے 36,000 پناہ کے متلاشی افراد اور پناہ گزینوں کی مدد کرے۔ بعض کیسز میں UNHCR کے دائرہ اختیار میں مقیم پناہ گزینوں اور پناہ کے متلاشی افراد کو طویل مدتی ویزے اور رہائشی اجازت ناموں کے ذریعے اپنی حیثیت کے باقاعدہ تعین کیلئے چینجوں کا سامنا ہوا۔

تارکین وطن، پناہ گزین اور بے وطن افراد کے ساتھ زیادتی: قانون میں 'پناہ گزین' کی اصطلاح موجود نہیں ہے اور پناہ گزینوں سے کسی بھی دوسرے غیر ملکی کے طور پر برتاؤ رکھا جاتا ہے۔ ملک میں بغیر کاغذات کے موجودگی ایک جرم ہے۔ قانونی دستاویزات کے بغیر ملک میں رہنے والے افراد کو جبری طور پر واپس بھیجا جا سکتا تھا اور ان سے بدسلوکی بھی ہو سکتی تھی۔

عدالتوں نے پناہ گزینوں اور پناہ کے متلاشی افراد کو آئین کے مطابق مناسب طور پر تحفظ فراہم کیا۔

پناہ گزینوں نے غیر سرکاری لوگوں کی طرف سے استحصال کئے جانے کی اطلاع دی ہے جس میں حملے، جنس کی بنیاد پر تشدد، دھاندلی اور مزدوری کے حوالے سے غلط طور پر استعمال کرنا شامل ہے۔ پھر گھریلو تشدد، جنسی زیادتی اور بچپن کی جبری شادیوں جیسے مسائل بھی جاری رہے۔ جنس کی بنیاد پر تشدد اور جنسی زیادتی سری لنکا کے کیمپوں میں عام رہی۔ شہروں میں بسنے والے بیشتر پناہ گزینوں نے بے ضابطہ شعبوں مثال کے طور پر پھر گلی کوچوں میں خانچہ فروشی جیسے پیشوں میں کام کیا جہاں انہیں پولیس کی طرف سے زیادتی، معاوضے کی عدم ادائیگی اور استحصال کا سامنا رہا۔

9 اگست کو داخلہ امور کے وزیر مملکت کرن ریجیجو نے پارلیمنٹ میں یہ بیان دیا کہ روہنگیا بھارت میں غیر قانونی تارکین وطن ہیں اور قانون کے تحت انہیں ملک بدر کیا جا سکتا ہے۔ وزارت داخلہ کے ترجمان نے بعد ازاں وضاحت دی کہ حکومت یہ تعین کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ ملک میں کتنے پناہ گزین موجود ہیں اور ریاستوں کو فعال طریقے سے منصوبہ بندی کرنے کی ہدایت دے رہی ہے۔

ملک کے اندر نقل و حرکت: مرکزی حکومت نے غیر ملکی افراد کیلئے اروناچل پردیش، ناگالینڈ، میزورام، منی پور اور جموں و کشمیر کے کچھ حصوں کیلئے سفر پر پابندیوں میں کچھ نرمی کی۔ لیکن ان غیر ملکیوں میں پاکستان، چین اور برما کے شہری شامل نہیں۔ وزارت داخلہ اور ریاستی حکومتوں نے گری ملکی شہریوں سے یہ تقاضا کیا کہ وہ جب پابندیوں والے علاقوں میں سفر کریں تو اپنی آمد پر خصوصی پرمٹ حاصل کریں۔

بیرون ملک سفر: حکومت کسی ایسے درخواست کنندہ کو پاسپورٹ دینے سے قانونی طور پر انکار کر سکتی ہے جو ملک سے باہر ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہونجو "ملک کی خود مختاری اور سالمیت کیلئے تعصب کی حامل ہیں۔"

ریاست جموں و کشمیر کے شہریوں کیلئے پاسپورٹ کے اجرا اور تجدید میں تاخیر کا رجحان برقرار رہا۔ بعض اوقات اس کیلئے دو سال تک انتظار کرنا پڑا۔ حکومت نے مبینہ طور پر جموں و کشمیر

میں پیدا ہونے والے درخواست دہندگان کو پاسپورٹ جاری کرنے سے قبل مزید جانچ پڑتال اور پولیس کی کلیئرنس کے حوالے سے نشانہ بنایا۔ ان میں وہ بچے بھی شامل ہیں جو ریاست میں تعینات کئے جانے والے فوجی افسروں کے ہاں پیدا ہوئے۔

اندرون ملک بے دخل ہونے والے افراد (IDPs)

حکام نے ملک بھر کے اندر ملک ہی میں بے دخل ہونے والے افراد کی بستیوں کا پتہ چلایا۔ ان میں وہ گروپ بھی شامل ہیں جو ریاست جموں و کشمیر، ماؤ نواز وں سے متاثرہ علاقے، شمالی ریاستیں اور گجرات میں اندرونی اندرونی طور پر ہونے والے مسلح تنازعات کی وجہ سے بے دخل ہوئے ہیں۔ اندرون ملک بے دخل ہونے والوں کے نگران مرکز کی 2016 کی سالانہ رپورٹ میں زور دیا گیا تھا کہ طویل عرصے سے جاری علاقائی تنازعات میں کم از کم 7 لاکھ 96 ہزار افراد بے دخل ہوئے۔ تنازعات یا تشدد کی وجہ سے بے دخل ہونے والے افراد کی حتمی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل تھا کیونکہ حکومت بے دخل ہونے والوں کی نقل و حرکت کی نگرانی نہیں کرتی اور انسانی حقوق کی تنظیموں اور فلاحی اداروں کو کیمپوں یا پھر متاثرہ علاقوں تک محدود رسائی حاصل تھی۔ ایسے میں جبکہ حکام نے اندرون ملک بے دخل ہونے والے افراد کے کیمپوں میں مقیم افراد کا اندراج کیا تو اُس وقت بھی بے دخل افراد کی نامعلوم تعداد کیمپوں سے باہر رہتی تھی۔ بیشتر بے دخل افراد کے پاس خوراک، صاف پانی، پناہ اور صحت کی دیکھ بھال کی سہولتیں بہت کم رہی تھیں۔ (سیکشن 1.g دیکھیں، تنازعات سے متعلقہ دیگر زیادتیاں)۔

ماؤ نوازوں کے خلاف چھاپہ مار آپریشن کی وجہ سے چھتیس گڑھ میں ڈانڈا کرانیا کے جنگلات میں آباد گوٹی کویا قبیلے کے ارکان بے دخل ہوئے جنہوں نے تلنگانا ڈسٹرکٹ کے خام اور بھوپالاپالی علاقوں کی طرف رخ کیا۔ آندھرا پردیش کی تقسیم کے نتیجے میں 2014 میں نئی ریاست تلنگانا کی تشکیل کے بعد ریاستی حکومتوں نے گوٹی کویا کی آبادیوں کے تمام اضلاع کے کچھ حصے آندھرا پردیش منتقل کر دیے۔

غیر سرکاری تنظیموں کا اندازہ ہے کہ چھتیس گڑھ میں اندرون ملک بے دخل ہونے والے افراد کی تعداد 50,000 تھی اور تلنگانا اور آندھرا پردیش میں 27,000۔ چھتیس گڑھ کی حکومت نے مبینہ طور پر آندھرا پردیش اور تلنگانا کے کیمپوں میں مقیم بے دخل افراد کو چھتیس گڑھ کے رہائشیوں کے طور پر تسلیم نہیں کیا اور آندھرا پردیش اور تلنگانا حکومتوں نے مبینہ طور پر بنیادی مدد فراہم کی جس میں خوراک کا راشن اور بچوں کی تعلیم شامل تھے۔ تاہم تلنگانا جنگل کے حکام نے مبینہ طور پر بھوپال پلی ڈسٹرکٹ میں گوٹی کویا کی کئی بستیوں کو تباہ کر دیا۔ الزام یہ تھا کہ وہ درختوں کو کاٹ کر غلط انداز میں کھتی باڑی کام کر رہے تھے۔ 21 اپریل کو گوٹی کویا قبیلے کی متعدد جھونپڑیوں کو نظر آتش کر دیا گیا اور 16 ستمبر کو 36 جھونپڑیاں گرا دی گئیں۔ اُس وقت ایک عورت نے خود کو درخت کے ساتھ باندھ دیا جو حکام کو کارروائی سے روکنے کی ایک کوشش تھی۔ 13 اکتوبر کو حیدر آباد ہائی کورٹ نے تلنگانا حکومت کو حکم دیا کہ وہ گوٹی کویا قبیلے کے ارکان کو بے گھر نہ کرے اور ان کے رہنے کی جگہوں کو مسمار نہ کیا جائے۔

قومی پالیسی یا قانون کے تحت ملک میں نسلی یا فرقہ وارانہ تشدد یا مسلح تنازعات کے نتیجے میں بے گھر ہونے والوں کے مسئلے کو شامل نہیں کیا گیا۔ ملک کے اندر بے گھر ہونے والے افراد کی بہبود کی ذمہ داری عموماً ریاستی حکومتوں اور مقامی حکام کے سپرد تھی جس کے نتیجے میں سہولیات کی

فراہمی میں وقفہ آیا اور احتساب کا عمل کمزور ہوا۔ مرکزی حکومت نے بے گھر افراد کیلئے محدود امداد فراہم کی لیکن انہیں غیر سرکاری تنظیموں اور انسانی حقوق کی انجمنوں تک رسائی حاصل تھی اگرچہ نہ تو رسائی اور نہ ہی امداد تمام بے گھر افراد کے لئے یا تمام حالات میں یکساں تھی۔

مئی میں میزورام ریاستی حکومت نے، جو قبیل ازیں برو پناہ گزینوں کی وطن واپسی کو قبول کرنے سے انکار کر چکی تھی، داخلہ امور کی وزارت کو 20 ہزار سے زیادہ برو پناہ گزینوں کی وطن واپسی کا منصوبہ پیش کیا جن میں 11,500 بچے بھی شامل تھے۔ برو بے گھر افراد شمالی تری پورہ ضلع کے چھ امدادی کیمپوں میں مقیم تھے۔ وزارت نے جولائی میں میزورام منصوبے کی منظوری دے دی۔ لیکن وطن واپسی کا کام اگست تک شروع نہ ہو سکا کیونکہ برو پناہ گزینوں کی طرف سے زمین، سیکیورٹی اور دوبارہ بسائے کیلئے نئے مطالبات پیش کئے گئے۔

پناہ گزینوں کا تحفظ

زبردستی واپسی: میڈیا نے مغربی بنگال اور منی پور ریاستوں میں حکومت کی طرف سے روہنگیا افراد کو حراست میں لینے کے واقعات کی اطلاع دی۔ حکومت نے ملک میں غیر قانونی داخلے کے بعد تعین شدہ وقت ختم ہونے پر مبینہ طور پر کچھ روہنگیا افراد کو واپس برما بھیجنے کی کوشش کی۔ برمی حکومت نے مذاکرات کے دوران دعویٰ کیا کہ ان افراد کا اس بارے میں کوئی ریکارڈ نہیں تھا کہ وہ کبھی برمی شہریت رکھتے تھے۔ بیشتر کیسز میں بھارتی حکومت نے ان افراد کو حراست میں رکھا۔

پناہ کیلئے رسائی: قانون یا لائحہ عمل نہ ہونے کی وجہ سے حکومت نے بعض اوقات بین الاقوامی قانون کی بنیاد پر صورتحال کے مطابق انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر پناہ دی۔ اس لائحہ عمل کے نتیجے میں مختلف پناہ گزینوں اور پناہ کے متلاشی گروپوں کا تحفظ مختلف انداز میں ہوا۔ حکومت نے تبت اور سری لنکا کے پناہ گزینوں کو تسلیم کرتے ہوئے پناہ گزینوں کیلئے اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر UNHCR کے فیصلوں کو احترام کیا جس کا تعلق دوسرے ملکوں کے افراد کیلئے پناہ گزینوں کی حیثیت تعین کرنے سے تھا۔

UNHCR نے ملک میں سرکاری طور پر موجودگی برقرار نہیں رکھی لیکن حکومت نے UNHCR کے عملے کو پرمٹ دئے کہ وہ شہری مراکز میں پناہ گزینوں تک رسائی حاصل کر سکیں۔ حکومت نے تامل ناڈو میں اسے سری لنکا کے پناہ گزینوں کی وطن واپسی میں مدد کے لئے کام کرنے کی اجازت دی۔ UNHCR نے پناہ کے متلاشی افراد کا اندراج کیا اور ایسے ملکوں جن کی بھارت کے ساتھ سرحدیں نہیں ملتیں اور برما سے آنے والے باشندوں کیلئے پناہ گزینوں کی حیثیت کا تعین کرنے کی کارروائی کی۔ حکام نے UNHCR کو سری لنکا کے پناہ گزینوں کیلئے، تبت کی بستیوں یا پھر میزورام میں پناہ کے متلاشی افراد تک رسائی کی اجازت نہیں دی۔ لیکن حکومت نے میزورام کیلئے پناہ کے متلاشی افراد کو UNHCR سے ملاقات کرنے کیلئے دہلی جانے کی اجازت دی۔ UNHCR کو میزورام میں پناہ کے متلاشی افراد تک رسائی نہیں تھی۔ حکومت نے عام طور پر غیر سرکاری تنظیموں، بین الاقوامی فلاحی اداروں اور غیر ملکی حکومتوں کو سری لنکا کے پناہ گزینوں کی بستیوں کی بستیوں تک رسائی دی لیکن میزورام میں پناہ کے طلبگار افراد تک رسائی دینے سے انکار کیا۔

سری لنکا کی خانہ جنگی کے خاتمے کے بعد حکومت نے سری لنکن افراد کا پناہ گزینوں کی حیثیت سے اندراج ختم کر دیا۔ تامل ناڈو کی حکومت نے سری لنکا کے اُن پناہ گزینوں کو ملک سے چلے جانے کے اجازت نامے دینے جو رضاکارانہ طور پر وطن واپس جانا چاہتے تھے اور اس طرح UNHCR کی اعانت کی۔

تامل ناڈو کی ریاستی حکومت نے سری لنکا کے تامل پناہ گزینوں کو جو سہولتیں فراہم کی تھیں وہ صرف تامل ناڈو کے اندر ہی لاگو تھیں۔ تامل ناڈو میں سری لنکا کے پناہ گزینوں کے ساتھ کام کرنے والی غیر سرکاری تنظیموں نے ریاستی حکومت کے اندر سابق وزیر اعلیٰ کی موت کے بعد پناہ گزینوں کے مسائل کے سلسلے میں مدد دینے کی رفتار میں کمی کی اطلاع دی۔

دہلی کے باہر مقیم پناہ گزینوں کو اپنے پناہ کے کلیمز کا اندراج کرنے کیلئے اضافی اخراجات اور وقت کا سامنا رہا۔

روزگار کے مواقع: حکومت نے UNHCR کے متعدد اندراج شدہ پناہ گزینوں کو کام کرنے کی اجازت دی جبکہ دوسرے افراد نے غیر رسمی شعبے میں کام تلاش کیا۔ بعض پناہ گزینوں نے آجروں کی طرف سے امتیازی رویے کے بارے میں اطلاع دی۔

بنیادی سہولتوں تک رسائی: اگرچہ ملک میں عمومی طور مصدقہ پناہ گزینوں اور پناہ کے متلاشی افراد کی رہائش، پرائمری اور سیکنڈری تعلیم، صحت کی دیکھ بھال اور عدالتوں تک رسائی کی اجازت دگی گئی لیکن یہ رسائی ریاست اور آبادی کے اعتبار سے مختلف تھی۔ پناہ گزین سرکاری سہولتوں تک رسائی رکھتے تھے۔ بیشتر کیسز میں جہاں پناہ گزینوں کو رسائی سے انکار کیا گیا، وہ سہولتیں فراہم کرنے والوں کا پناہ گزینوں کے حقوق کے بارے میں شعور اور آگہی کی کمی کی وجہ سے تھا۔ بیشتر کیسز میں UNHCR نے پناہ گزینوں کو رسائی دلوانے کیلئے کامیابی سے مداخلت کرنے اور ان کی وکالت کرنے میں کامیاب رہا۔ حکومت نے UNHCR کے اندراج کردہ پناہ گزینوں اور پناہ کے متلاشی افراد کو طویل مدتی ویزوں کے حصول کی درخواستیں دینے کی اجازت دی جس کے تحت انہیں کام کی اجازت اور اعلیٰ تعلیم تک رسائی دینا ممکن تھا۔ پناہ کے متلاشی غیر قانونی تارکین وطن کیلئے UNHCR کی طرف سے اندراج کے بعد خط فراہم کئے جاتے جن میں یہ نشاندہی ہوتی کہ اُس شخص کی UNHCR کے پناہ گزینوں کی حیثیت کیلئے جانچ کی جا رہی ہے۔

حکومت نے داخلہ امور کی وزارت کی طرف سے روہنگیا افراد کو طویل مدتی ویزے جاری کرنے کے حکم پر پوری طرح عمل نہیں کیا۔ ایسے ویزوں کے تحت پناہ گزینوں کو باضابطہ ملازمتوں کے علاوہ تعلیم، صحت کی سہولتوں اور بینک اکاؤنٹس تک رسائی کی اجازت مل جاتی۔

ماں بچے کی صحت کے پروگرام جیسی سرکاری سہولتیں بھی دستیاب تھیں۔ پناہ گزین پولیس اور عدالتوں سے ضرورت کے مطابق تحفظ کی درخواست کر سکتے تھے۔

سری لنکا کے پناہ گزینوں کو تامل ناڈو میں کام کرنے کی اجازت تھی۔ تاہم پولیس نے مبینہ طور پر پناہ گزینوں کو مختصر نوٹس پر کیمپوں میں واپس بلایا خاص طور پر حساس سیاسی حالات میں جن میں انتخاب کا وقت بھی شامل ہے اور اس وجہ سے پناہ گزین اور پناہ کے متلاشی افراد کیلئے کئی روز تک کیمپوں میں رہنا ضروری تھا۔

حکومت نے دوسرے ملکوں سے آنے والے پناہ گزینوں کو دوبارہ بسانے کی منظوری نہیں دی۔

بے وطن افراد

قانون کے تحت شہریت والدین کے حوالے سے ہوتی ہے اور کسی ملک میں پیدائش کے نتیجے میں ضروری نہیں کہ اس ملک کی شہریت دے دی جائے۔ 26 جنوری، 1950 یا اس کے بعد لیکن یکم جولائی 1987 سے پہلے پیدا ہونے والوں کو اس صورت میں بھارتی شہریت پیدائش کی بنیاد پر ملی اگر بچے کی پیدائش کے وقت والدین میں سے کوئی ایک بھارتی شہری تھا۔ حکام نے 3 دسمبر، 2004 یا اس کے بعد پیدا ہونے والوں کو صرف اس صورت میں شہری تسلیم کیا اگر والدین میں سے کم سے کم ایک وہاں کا شہری ہو اور والدین میں سے دوسرا، بچے کی پیدائش کے وقت غیر قانونی رہائشی نہ ہو۔ حکام نے 10 دسمبر، 1992 یا اس کے بعد ملک سے باہر پیدا ہونے والے افراد کو اس صورت میں شہری تسلیم کیا اگر پیدائش کے وقت والدین میں سے ایک کے پاس شہریت تھی۔ لیکن حکام نے 3 دسمبر، 2004 کے بعد ملک سے باہر پیدا ہونے والوں کو اس صورت میں شہری مانا اگر پیدائش کے ایک سال کے اندر اندر بھارتی قونصل خانے میں اس کا اندراج کروایا گیا ہو۔ حکام مخصوص کیٹیگریز کے تحت اندراج اور نیچرلائزیشن کے ذریعے ملک میں 12 برس تک قیام کے بعد شہریت دے سکتے تھے۔ تبت کے افراد کو مبینہ طور پر قانونی تقاضے پورے کرنے کے باوجود بعض اوقات شہریت حاصل کرنے میں مشکلات کا سامنا رہا۔

UNHCR اور غیر سرکاری تنظیموں کے مطابق ملک میں بے وطن افراد کی بڑی تعداد موجود تھی لیکن اس کیلئے قابل اعتماد تخمینے موجود نہیں تھے۔ بے وطن افراد میں چکما اور ہاجونگ افراد شامل ہیں جو عشروں قبل موجودہ بنگلہ دیش سے بھارت میں داخل ہوئے اور 1947 میں برصغیر کی بھارت اور پاکستان میں تقسیم سے متاثرہ گروپ بھی اس فہرست میں شامل تھے۔

اروناچل پردیش میں تقریباً 70,000 بے وطن بنگلہ دیشی چکما افراد مقیم تھے۔ سپریم کورٹ نے اس سال کے دوران مرکزی حکومت اور اروناچل پردیش کی ریاستی حکومت کو حکم دیا تھا کہ وہ چکما اور ہاجونگ پناہ گزینوں کو شہریت دینے کے بارے میں غور کریں جنہیں ریاست میں رہتے ہوئے تقریباً 50 برس بیت گئے تھے۔ 1960 کے اوائل میں بودھ، چکما اور ہاکونگ افراد سابق مشرقی پاکستان اور موجودہ بنگلہ دیش میں جبر اور ایذا سے بچنے کیلئے فرار ہوئے تھے اور 15000 کے قریب اروناچل پردیش کے ضلع چانگ لانگ میں سکونت پذیر ہو گئے۔

سری لنکا کے پناہ گزینوں کے کیمپوں میں پیدا ہونے والے بچوں کو پیدائش کے بھارتی سرٹیفکیٹ دے دئے گئے۔ لیکن صرف بھارتی پیدائشی سرٹیفکیٹ پناہ گزینوں کو شہریت کا اہل نہیں بناتے۔ پناہ گزین سری لنکا کے ہائی کمشن کو بھارتی پیدائش کے سرٹیفکیٹ پیش کر کے قونصل خانے سے پیدائشی سرٹیفکیٹ حاصل کر سکتے ہیں جو انہیں بعد میں سری لنکا میں شہریت کے حصول میں مدد دیتا ہے۔ ایلام پناہ گزینوں کی بحالی کی تنظیم کے مطابق پناہ گزین کیمپوں میں پیدا ہونے والے تقریباً 16,000 سے 27,000 سری لنکن پناہ گزین بچے چنائی میں سری لنکن ہائی کمشن کو اپنے پیدائشی سرٹیفکیٹ پیش کر چکے ہیں۔ اُس سال کے دوران سری لنکا کے چنائی ہائی کمشنر نے تقریباً 2,400 قونصلر پیدائشی سرٹیفکیٹ جاری کئے۔

UNHCR اور پناہ گزینوں کی وکالت کرنے والے گروپوں کا اندازہ ہے کہ تامل ناڈو میں مقیم تقریباً ایک لاکھ سری لنکن تامل پناہ گزینوں میں سے 25,000 اور 28,000 کے درمیان ”ہل کنٹری“ تامل تھے۔ سری لنکا کے قانون کے تحت ”ہل کنٹری“ پناہ گزینوں کو اجازت ہے کہ وہ سری لنکا کی شہریت حاصل کرنے کیلئے حلف نامے پیش کریں تاہم UNHCR کا خیال تھا کہ جب تک سری لنکا کی حکومت نے دستاویزی کارروائی مکمل نہیں کی، ان پناہ گزینوں کے بھی بے وطن ہونے کا خطرہ موجود تھا۔

سیکشن-3: سیاسی عمل میں شرکت کی آزادی

آئین شہریوں کو خفیہ رائے شماری اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر گاہے گاہے ہونے والے انتخابات میں اپنی حکومت منتخب کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

انتخابات اور سیاسی عمل

حالیہ انتخابات: الیکشن کمشن آف انڈیا ایک خود مختار آئینی ادارہ ہے جو ملک بھر میں مرکزی اور ریاستی سطح کے تمام انتخابات کے انعقاد کا ذمہ دار ہے۔ اس سال کے دوران قومی انتخابی عمل کے ذریعے رام ناتھ کووند کو پانچ سال کی مدت کیلئے صدر منتخب کیا گیا۔ اتر پردیش کی سات ریاستوں گجرات، پنجاب، اترکھنڈ، گوا، ہماچل پردیش اور منی پور میں ریاستی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے۔ مبصرین کا خیال ہے کہ تشدد کے اکا دکا واقعات کے باوجود یہ انتخابات آزادانہ اور منصفانہ طور پر ہوئے جن میں 30 کروڑ لوگوں نے اپنا حق رائے دہی استعمال کیا۔

سیاسی جماعتیں اور سیاسی عمل میں شرکت: آئین میں 18 سال اور اس سے زیادہ عمر کے تمام شہریوں کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے۔ سیاسی جماعتوں کی تشکیل یا پھر کسی بھی برادری کے افراد کیلئے انتخابی عمل میں شرکت پر کوئی پابندیوں نہیں تھی۔ انتخابی قانون کے مطابق سیاسی مہم کیلئے سرکاری ذرائع کا استعمال ممنوع ہے اور الیکشن کمشن نے اس قانون کو سختی سے نافذ کیا۔ کمشن کی گائیڈ لائنز کے مطابق انتخابات سے 48 دن قبل سے آراء پر مبنی جائزوں کی ممانعت ہے اور کثیر جہتی انتخابی عمل کے مکمل ہونے سے پہلے ایگزٹ پولز کے نتائج جاری نہیں کئے جا سکتے۔

خواتین اور اقلیتوں کی شرکت: قانون کے مطابق مقامی کونسلوں میں ایک تہائی نشستیں خواتین کیلئے مخصوص ہیں۔ مذہبی، ثقافتی اور روایتی عملداریوں اور تصورات کے باعث خواتین کیلئے سیاسی عمل میں متناسب نمائندگی کا حصول مشکل رہا۔ تاہم خواتین نے بہت سے اعلیٰ سیاسی عہدے سنبھالے جن میں وزارتیں، پارلیمان کی رکنیت اور ریاستی وزیر اعلیٰ کے منصب شامل ہیں۔ کوئی بھی قانون خواتین اور اقلیتوں کو سیاسی عمل میں شرکت سے نہیں روکتا اور انہوں نے سیاسی عمل میں ضرور شرکت کی۔

آئین کی رو سے تاریخی طور پر نظر انداز ہونے والے گروپوں کے تحفظ اور پارلیمان کے ایوان زیریں میں ان کی نمائندگی کے حق کی پاسداری کی گئی ہے۔ ہر ریاست کیلئے لازمی ہے کہ نچلی ذات اور قبائل کیلئے ان کے بادی کے تناسب سے سیٹیں مخصوص رکھی جائیں۔ ان مخصوص نشستوں پر

صرف ان گروپوں کے امیدوار ہی انتخاب لڑ سکتے ہیں۔ اقلیتی آبادیوں کے ارکان ملک میں وزیر اعلیٰ، نائب صدر، کابینہ کے وزیر، سپریم کورٹ کے جج اور پارلیمان کے رکن کے طور پر خدمات انجام دے چکے ہیں۔

کچھ مسیحی اور مسلمان افراد کی شناخت دلت کے طور پر کی گئی۔ تاہم حکومت نے صرف ہندوؤں، سکھوں اور جین لوگوں کو ہی دلت کے طور پر تسلیم کیا۔

سیکشن-4 : حکومت میں کرپشن اور شفافیت کی کمی

حکومت کی تمام سطحوں پر سرکاری اہلکاروں میں کرپشن کیلئے قانون کے مطابق مجرمانہ سزائیں مقرر ہیں۔ تاہم سرکاری اہلکار اکثر کرپشن کرتے رہے اور انہیں اس کی کوئی سزا نہیں دی گئی۔ سال کے دوران سرکاری کرپشن کے بارے میں لاتعداد رپورٹیں موصول ہوئیں۔

کرپشن: کرپشن حکومت کی ہر سطح پر موجود تھی۔ بہار میں جرائم سے متعلق 2016 کی رپورٹ کے مطابق سی بی آئی نے کرپشن سے متعلقہ 673 کیسز درج کئے۔ غیر سرکاری تنظیموں نے بتایا کہ پولیس کے تحفظ، اسکول میں داخلوں، پانی کی فراہمی اور سرکاری اعانت جیسی خدمات کے حصول کیلئے رشوت دینا ضروری تھا۔ شہریوں کی تنظیمیں تمام سال کے دوران مظاہروں اور ویب سائٹس پر کرپشن کی کہانیوں کی اشاعت سے کرپشن کے بارے میں عوامی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہیں۔

میڈیا کی رپورٹوں، غیر سرکاری تنظیموں اور سرگرم کارکنوں نے شمال مشرقی ریاستوں میں انفراسٹرکچر کے منصوبوں، منشیات کی تجارت اور لکڑی کی سمگلنگ کیلئے ٹھیکے داروں، عسکریت پسند گروپوں اور سیکورٹی فوجوں کے درمیان رابطوں کے بارے میں بتایا۔ ان کی رپورٹوں میں سیاستدانوں، نوکر شاہی، سیکورٹی اہلکاروں اور تخریب کار گروپوں کے درمیان قریبی رابطوں کی نشاندہی کی گئی۔ منی پور اور ناگا لینڈ میں سرکاری نوکریوں کے حصول کیلئے رشوتوں کی ادائیگی کے الزامات عام تھے جن میں خاص طور پر پولیس اور تعلیم کے شعبے شامل تھے۔

سرکاری سطح پر ہونے والی کرپشن کے الزامات کی تحقیقات میں بعض اوقات کرپشن کے ذریعے رکاوٹیں پیدا کی گئیں۔ 14 فروری کو تامل ناڈو کی برسراقتدر پارٹی آل انڈیا ڈراویڈا منترا کاڑاگم اما کی جنرل سیکرٹری وی کے ساسیکالا کے خلاف سپریم کورٹ کی طرف سے 21 سال قبل کرپشن کے عدالتی فیصلے کو بحال رکھتے ہوئے سزا سنائی گئی۔ مزید برآں قانون کے مطابق ساسیکالا پر قید کی سزا کے بعد چھ برس تک کسی بھی انتخاب میں حصہ لینے کی پابندی عائد کر دی گئی۔

سپریم کورٹ نے 2015 میں CBI کو حکم دیا کہ وہ سکول میں داخلے اور سرکاری ملازمت کا امتحان لینے والے ادارے پر پروفیشنل ایگزامی نیشن بورڈ میں ہونے والے والے فراڈ سے متعلق مدھیہ پردیش کی ریاست حکومت کی طرف سے جاری تحقیقات اپنے ذمے لے لے۔ اگست 2013 میں شروع ہونے والی تحقیقات کے دوران 2,000 سے زائد افراد کو گرفتار کیا گیا۔ اگست 2016 میں CBI نے 60 افراد کے خلاف رسمی شکایات درج کرائیں اور ایک طالب علم امیدوار اور ایک جعلی شخص کے خلاف فرد جرم عائد کی۔ مدھیہ پردیش ہائی کورٹ نے ملزمان میں سے کچھ کو ضمانت دے دی۔ CBI پانچ سال کی مدت کے دوران ہونے والی 48 اموات کی چھان بین کر رہی تھی جن میں ایک صحافی بھی

انسانی حقوق کی مشق پر ملکی رپورٹ برائے 2017

محکمہ خارجہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ، بیورو آف ڈیموکریسی، ہیومن رائٹس اینڈ لیبر

شامل تھا جس نے مبینہ فراڈ کے بارے میں خبر دی۔ سپریم کورٹ نے 13 فروری کو مدھیہ پردیش کے 600 سے زائد میڈیکل طالب علموں کے داخلے منسوخ کر دئے جن کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ انہوں نے امتحان پاس کرنے کیلئے غلط ذرائع استعمال کئے۔

10 اپریل کو اینٹی کرپشن بیورو (ACB) مہاراشٹر کے سابق وزیر برائے زراعت اور ریونیو ایکٹاٹھ کھاڈسے، اُن کی بیگم، داماد اور پونے میں اُن کے ایک ساتھی کے خلاف زمینی جائیداد کی ایک ڈیل میں مبینہ کرپشن کے سلسلے میں شکایت درج کی۔ ریاستی حکومت نے 8 مارچ کو عدالت کو بتایا کہ ACB مقامی پولیس سے یہ کیس اپنے ہاتھوں میں لے لے گی۔ الزامات سامنے آنے کے بعد کھاڈسے جون 2016 میں مستعفی ہو گئے تھے۔ سال کے آخر تک اس کیس کی پیش رفت کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی۔

مالیاتی ریکارڈ کا انکشاف: انڈین ایڈمنسٹریٹو سروس کے ہر اہلکار کیلئے قانون کی رو سے اپنی جائیداد ظاہر کرنا لازمی ہے۔ الیکشن کمشن اور سپریم کورٹ دونوں نے انتخابی امیدواروں کے لئے مجرمانہ اور مالیاتی ریکارڈ ظاہر کرنے کی پابندی کو برقرار رکھا۔

سیکشن 5: انسانی حقوق کی مبینہ خلاف ورزیوں سے متعلق بین الاقوامی اور غیر سرکاری تحقیقات کے بارے میں حکومت کا رویہ

زیادہ تر داخلی اور بین الاقوامی انسانی حقوق سے متعلق گروپ عام طور پر سرکاری پابندیوں کے بغیر اپنی سرگرمیاں جاری رکھتے تھے اور وہ انسانی حقوق سے متعلق کیسز کی چھان بین کر کے اُس کے نتائج شائع کرتے تھے۔ بعض حالتوں میں ان گروپوں کو پابندیوں کا سامنا رہا سرکاری اہلکار مجموعی طور پر غیر سرکاری تنظیموں کی درخواستوں پر تعاون کرتے تھے۔ ملک میں 30 لاکھ سے زائد غیر سرکاری تنظیمیں سماجی انصاف پائدار ترقی اور انسانی حقوق کی وکالت کر رہی تھیں۔ حکومت عام طور پر داخلی غیر سرکاری تنظیموں سے ملتی تھی، اُن کی درخواستوں کا جواب دیتی تھی اور اُن کی رپورٹوں یا تجاویز پر کارروائی کرتی تھی۔ NHRC نے بہت سی غیر سرکاری تنظیموں کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے کام کیا۔ NHRC کی متعدد کمیٹیوں میں غیر سرکاری تنظیموں کو نمائندگی حاصل تھی۔ جموں و کشمیر میں انسانی حقوق کی نگرانی کرنے والے کارکن انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا ریکارڈ تیار کر سکے۔ تاہم سیکورٹی فورسز، پولیس اور قانون کا نفاذ کرنے والے دوسرے حکام نے مبینہ طور پر بعض اوقات اُن پر پابندیاں لگائیں یا انہیں ہراساں کیا۔ بعض بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیموں کو ویزے کے حصول میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اور انہوں نے بتایا کہ کبھی کبھی انہیں سرکاری طور پر ہراساں کیا گیا اور اُن پر لوگوں میں مواد کی تقسیم کے حوالے سے پابندیاں عائد کی گئیں۔

سپریم کورٹ نے 10 جولائی کو سرگرم کارکن ٹیسٹا سیٹلوڈ، جاوید آند اور سٹیزنز آف جسٹس اینڈ پیس سے منسلک اُن کے ساتھیوں کی کرپشن اور مالی بے قاعدگیوں کے الزامات کے بارے میں رعایت کی درخواست مسترد کر دی۔ گجرات میں پولیس حکام نے ان کارکنوں پر گجرات میں 2002 میں ہونے والے ہنگاموں کے متاثرین کی ایک یادگار کی تعمیر کے سلسلے میں اکٹھی کی گئی 15 لاکھ روپے یعنی 24,000 ڈالر کی خرد برد کے الزامات عائد کئے تھے۔ کارکنوں کا کہنا تھا کہ حکام نے اُن کے خلاف یہ مقدمہ انتقامی طور اس لئے قائم کیا کیونکہ وہ ہنگاموں کے متاثرین کیلئے کام کر رہے تھے۔

اقوام متحدہ یا دیگر بین الاقوامی ادارے: حکومت نے اقوام متحدہ کی شمال مشرقی ریاستوں اور ماؤ نوازوں کے زیر کنٹرول علاقوں تک رسائی کو مسلسل محدود کئے رکھا۔

انسانی حقوق سے متعلق سرکاری ادارے: NHRC ایک خود مختار اور غیر جانب دار تحقیقاتی اور مشاورتی ادارہ ہے جسے حکومت نے تشکیل دیا اور اسے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی تحقیقات اور ان کے تدارک کے ساتھ ساتھ عام لوگوں کو انسانی حقوق سے متعلق شعور و آگہی فراہم کرنے کا فریضہ سونپا۔ یہ ادارہ براہ راست پارلیمان کو جوابدہ ہے لیکن یہ داخلہ اور قانون و انصاف کی وزارتوں کے ساتھ قریبی تعاون سے کام کرتا ہے۔ اس کی ذمہ داریوں میں انسانی حقوق کی سرکاری سطح پر ہونے والی خلاف ورزیوں یا تشدد پر قابو پانے میں غفلت کو روکنا، انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے الزامات کے سلسلے میں عدالتی کارروائیوں کا ساتھ دینا اور انسانی حقوق کو متاثر کرنے والے عوامل بشمول دہشت گرد کارروائیوں پر نظر ثانی کرنا شامل ہیں۔ قانون NHRC کو سمن جاری کرنے، شہادت دینے پر مجبور کرنے، دستاویزات پیش کرنے اور سرکاری ریکارڈ طلب کرنے کا اختیار دیتا ہے۔ NHRC حکومت کی طرف ہلاک کئے جانے والوں کو یا ان کے اہل خانہ کو معاوضہ دلوانے جیسے حل بھی تجویز کرتا ہے۔ اسے نہ تو اپنی تجاویز پر عمل درآمد کے نفاذ کا اور نہ ہی افوجی یا نیم فوجی اہلکاروں کے خلاف الزامات سے نمٹنے کا اختیار ہے۔

انسانی حقوق کی تنظیموں کا کہنا تھا کہ ان پابندیوں کے باعث NHRC کا کام متاثر ہوا۔ انسانی حقوق کی کچھ غیر سرکاری تنظیموں نے NHRC کے بجٹ کیلئے حکومت پر انحصار کرنے اور ایک سال سے زیادہ پرانے انسانی حقوق کی پامالی کے کیسز کی تحقیقات نہ کرنے سے متعلق اس کی پالیسی پر تنقید کی۔ کچھ تنظیموں نے یہ بھی کہا کہ NHRC نے تمام کے تمام کیسز درج نہیں کرائے، کچھ کیسز کو ناجائز طریقے سے خارج کر دیا، کیسز کی جامع انداز میں تحقیقات نہیں کیں، شکایات کو حقوق کی پامالی کرنے والے عناصر کو واپس بھجوا دیا اور شکایات درج کرانے والوں کو مناسب انداز میں تحفظ فراہم نہیں کیا۔

29 میں سے 24 ریاستوں میں انسانی حقوق کے کمشن موجود ہیں جنہوں نے خود مختار طریقے سے NHRC کے ماتحت کام کیا۔ 6 ریاستوں میں کمشن کے چیئرمین کی اسامی خالی رہی۔ کچھ انسانی حقوق کے گروپوں کا الزام تھا کہ مقامی سیاست ریاستی کمیٹیوں پر اثر انداز ہوئی جس کے نتیجے میں NHRC کے مقابلے میں منصفانہ فیصلوں کا امکان کم ہو گیا۔

ریاستی انسانی حقوق کی کمیٹیوں کی کارکردگی کے ملک گیر جائزے کے دوران ہیومن رائٹس لاء نیٹ ورک (NHLN) کو معلوم ہوا کہ زیادہ تر ریاستی کمیٹیوں میں اقلیتوں، سول سوسائٹی یا خواتین کی نمائندگی یا تو بہت کم تھی یا پھر بالکل ہی نہیں تھی۔ HRLN کا دعویٰ تھا کہ یہ کمیٹیاں غیر مؤثر تھیں اور بعض اوقات یہ متاثرہ افراد کے خلاف تھیں، سیاسی بنیادوں پر تعیناتیوں سے متاثرہ تھیں اور عملے اور فنڈز کی کمی کا شکار رہیں۔

جموں و کشمیر کمشن کو اختیار نہیں ہے کہ وہ نیم فوجی سیکورٹی فورسز کی طرف سے ہونے والی مبینہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے بارے میں تحقیقات کرے۔ NHRC کو تمام تر انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی تحقیقات کرنے کا مکمل اختیار تھا سوائے ان کیسز کے جن میں بسا اوقات فوج ملوث ہو۔ NHRC کو اختیار ہے کہ وہ داخلہ امور کی وزارت، شمال مشرقی ریاستوں اور

جموں و کشمیر میں AFSPA کے تحت کارروائیاں کرنے والے نیم فوجی دستوں کی طرف سے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی تحقیقات کرے۔

سیکشن - 6 : امتیازی سلوک، سماجی سطح پر زیادتیاں اور انسانی سمگلنگ

خواتین

جنسی زیادتی اور گھریلو تشدد: قانون کے تحت بیشتر کیسز میں جنسی زیادتی ایک جرم ہے۔ تاہم اگر خاتون کی عمر 15 سال سے زیادہ ہو تو پھر شادی شدہ زندگی میں جنسی زیادتی غیر قانونی نہیں سرکاری اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ جنسی زیادتی ملک میں تیزی سے بڑھنے والا جرم ہے جس میں کم سے کم جزوی طور پر اس کے شکار افراد کی طرف سے جرم کی رپورٹ درج کرانے کیلئے آمادگی میں اضافہ ہوا ہے۔ اگرچہ مبصرین کا خیال ہے کہ جنسی زیادتی کے کیسز کی ایک بڑی تعداد کی رپورٹ درج ہی نہیں کرائی جاتی۔

قانون نافذ کرنے والے ادارے اور جنسی زیادتی کے شکار لوگوں کیلئے قانونی امداد ناکافی تھی، کیسز وسائل سے زیادہ تھے اور مؤثر طور پر اس مسئلے سے نمٹنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ پولیس عہدیداروں نے بعض اوقات جنسی زیادتی کا شکار ہونے اور ان پر حملہ کرنے والوں کے درمیان مصالحت کرانے کی کوشش کی اور بعض کیسز میں تو زیادتی کا شکار ہونے والی خواتین کو اپنے حملہ آور سے شادی کرنے کی ترغیب دی گئی۔ غیر سرکاری تنظیم ”لائبرز کلیکٹو“ مقدمات کی طویل مدت، متاثرین کیلئے مدد کی کمی اور گواہوں اور متاثرین کے غیر تسلی بخش تحفظ کی طرف توجہ دلاتی ہے جو بدستور باعث تشویش رہا۔ ڈاکٹروں نے جنسی ہسٹری پر قیاس آرائی کرنے کیلئے وہی فرسودہ دو انگلیوں کے ٹیسٹ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اگرچہ سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ اس ٹیسٹ سے متاثرہ فرد کی پرائیویسی کے حق کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ 2015 میں حکومت نے جنسی تشدد کا شکار ہونے والوں کے طبی معائنے کیلئے صحت کے شعبے سے متعلق عہدیداروں کیلئے نئے قواعد و ضوابط متعارف کرائے۔ اس میں معائنے کے مختلف مراحل کے دوران متاثرہ فرد کی منشا سے متعلق شقیں رکھی گئیں جس کے بارے میں بعض غیر سرکاری تنظیموں کا دعویٰ ہے کہ وہ ایسے واقعات کی ریکارڈنگ کیلئے ایک بہتری کا عمل تھا۔

تنازعات اور جنگوں کے علاقے میں جیسے جموں و کشمیر کی ریاست، شمال مشرق میں جھاڑکھنڈ اور چھتیس گڑھ اور پھر دلت یا قبائلی خواتین جنسی زیادتی یا زیادتی کی دھمکیوں کا زیادہ شکار بنتی ہیں۔ قومی سطح پر جرائم کے اعدادوشمار سے معلوم ہوتا ہے کہ دلت خواتین کو کسی دوسری ذات سے منسلک عورتوں کے مقابلے میں غیر متناسب طور پر نشانہ بنایا گیا۔

گھریلو تشدد بھی سنگین مسئلہ رہا۔ عورتوں پر تیزاب سے کئے جانے والے حملوں میں اموات ہوئیں یا پھر ان کی شکل و صورت مستقل طور پر بگڑ گئی۔ سال کے دوران چھتیس گڑھ وہ پہلی ریاست بنی جس نے تکلیف اور مسائل کا شکار ہونے والی خواتین کیلئے ون اسٹاپ کرائسس سینٹر بنائے جنہیں ”سکھی مراکز“ کا نام دیا گیا۔ تمام کے تمام 27 اضلاع میں بنائے گئے یہ مراکز خواتین اور بچوں کی ترقیات کی وزارت سے وفاقی فنڈز کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ ان مراکز کی طرف سے ان عورتوں کیلئے مشاورت اور پناہ کی سہولت فراہم کی جاتی ہے جو تشدد کی مختلف اقسام کا سامنا کرتی ہیں۔ لیکن بنیادی طور پر یہ گھریلو تشدد، جہیز سے متعلق تنازعات اور جنسی تشدد سے متعلق ہیں۔

NCRB کا اندازہ ہے کہ خواتین کے خلاف جرائم کیلئے قصور وار ٹھہرائے جانے کی شرح 18.9 فیصد ہے۔

2015 میں سپریم کورٹ نے تمام نجی اسپتالوں کو ہدایت دی کہ وہ تیزاب کے حملوں کا شکار ہونے والوں کو طبی امداد فراہم کریں۔ اس پالیسی کا اطلاق 2016 میں چنائی میں ہوا۔ اپریل میں حکومت نے اعلان کیا کہ تیزاب کے حملوں کا شکار ہونے والوں کو معذوری کے شکار افراد کے حقوق کے 2016 ایکٹ کی شقوں میں شامل کیا جائے گا۔

جولائی 2016 میں مرکزی حکومت نے متاثرین کے معاوضے کیلئے مرکزی فنڈ سکیم پر نظر ثانی کی جس کا مقصد زیادتی، تیزاب کے حملوں، بچوں کے خلاف جرائم اور انسانی سمگلنگ کے متاثرین کی تلافی کے معاوضوں میں موجود عدم توازن کو کم کرنا تھا۔

خواتین کے تولیدی اعضا کو ناکارہ بنانا/ کاٹ دینا (FGM/C) : ملک کا کوئی بھی قانون FGM/C کے عمل سے نہیں نمٹتا۔ انسانی حقوق کے علمبردار گروپوں اور میڈیا رپورٹوں کے مطابق 70 سے 90 فیصد کے درمیان داؤدی بوہرا لوگ FGM/C پر عمل کرتے تھے۔ ان کی آبادی لگ بھگ دس لاکھ ہے اور یہ زیادہ تر مہاراشٹر، گجرات، راجستھان اور دہلی میں مقیم ہیں۔

سپریم کورٹ نے 26 جون کو مرکزی حکومت اور گجرات، مہاراشٹر، راجستھان اور دہلی کی ریاستوں سے عوامی مفاد کے حوالے سے دائر کی گئی ایک قانونی درخواست کے بعد، جس میں FGM/C پر پابندی لگانے کو کہا گیا تھا، جوابات طلب کئے۔ مئی میں خواتین اور بچوں کی ڈیولپمنٹ سے متعلق وفاقی وزیر مانیکا گاندھی نے کہا کہ FGM/C کو ایک مجرمانہ فعل قرار دیا جانا چاہئے۔

دوسرے نقصان دہ روایتی افعال: قانون کے تحت جہیز کی فراہمی اور قبولیت کی ممانعت ہے۔ لیکن خاندان جہیز کی پیشکشیں بھی کرتے رہے اور جہیز قبول بھی کرتے رہے۔ ہ جہیز سے جڑے تنازعات اور جھگڑے بدستور ایک سنگین مسئلہ رہے۔، NCRB کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ 2015 میں حکام نے جہیز سے جڑی اموات کے سلسلے میں 19,973 افراد کو گرفتار کیا۔

”سومان گلی سکیموں“ کی وجہ سے ایک اندازے کے مطابق ایک لاکھ 20 ہزار نوجوان عورتیں متاثر ہوئیں۔ یہ منصوبے جو تامل زبان کے لفظ ”خوش باش شادی شدی خواتین“ کے نام پر رکھے گئے ایک قسم کی پابند مزدوری کی ایک قسم تھے جن کے تحت نوجوان خواتین اور لڑکیاں جہیز کی رقم کمانے کیلئے کام کرتی ہیں تاکہ شادی کرنے کے قابل ہو سکیں۔ وعدہ کیا گیا یک مشت معاوضہ 80,000 روپے (\$1,300) سے ایک لاکھ روپے (\$1,600) ہوتا ہے جو عمومی طور پر تین سے پانچ سال تک کی ملازمت کے اختتام پر دیا جاتا ہے۔ تاہم بعض اوقات معاوضہ جزوی طور پر ادا کیا جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں اس کی ادائیگی قطعی طور پر نہیں ہوتی جبکہ پابند مزدوری میں آجروں نے کام کرنے کی جگہوں پر ان عورتوں کے ساتھ مبینہ طور پر سنگین نوعیت کی زیادتیاں کیں۔ ان کی نقل و حرکت اور ابلاغ کی آزادی پر پابندیاں، جنسی زیادتی، جنسی استحصال، جنس کی بنیاد پر سمگلنگ یہاں تک کہ انہیں ہلاک بھی کیا گیا۔ سومان گلی پابند مزدور خواتین کی اکثریت کا تعلق نچلی ذاتوں سے ہے اور ان میں آجروں نے تامل ناڈو سے تعلق رکھنے والی سب سے نچلی ذات کی

دلتوں اور ملک کے شمالی حصے سے آنے والی تارکین کو خاص طور پر زیادتی کا نشانہ بنایا۔ حکام نے سومان گلی کارخانوں میں ٹریڈ یونین بنانے کی اجازت نہیں دی اور بعض سومان گلی کارکنوں نے مبینہ طور پر انتقامی کارروائی کے ڈر سے زیادتیوں کے بارے میں رپورٹ نہیں کی۔ غیر سرکاری تنظیم وان موبل کے 2014 کے جائزے میں کارکنوں میں صحت کے مسائل اور کام کے حالات کا ذکر کیا جن میں مبینہ طور پر جسمانی اور جنسی استحصال شامل تھے۔ 2016 میں مدراس ہائی کورٹ نے تامل ناڈو حکومت کو حکم دیا کہ وہ سومان گلی سکیموں کی قانونی حیثیت کا جائزہ لے۔ یہ واضح نہیں ہوا کہ آیا ریاست نے عدالتی حکم کی تعمیل کی ہے یا نہیں۔

بیشتر ریاستوں نے جہیز کی ممانعت کی نگرانی کیلئے افسروں کو بھرتی کیا۔ 2010 میں سپریم کورٹ کے ایک فیصلے میں اسے تمام عدالتوں کیلئے لازمی قرار دیا گیا کہ وہ جیز کے سلسلے میں ہونے والی اموات کے قصور واروں پر قتل کی فرد جرم عائد کریں۔

پھر غیرت کے نام پر قتل بدستور ایک مسئلہ رہا، خاص طور پر پنجاب، اتر پردیش اور ہریانہ میں۔ ان ریاستوں میں جنس کی بنیاد پر اسقاط حمل کرانے کے باعث لڑکیوں کی پیدائش کی شرح بھی کم ہے۔ 21 اگست کو سپریم کورٹ نے غیر سرکاری تنظیم شکتی واہینی اور کھپ پنچائت سے خاندانی غیرت کے نام پر نوجوان جوڑوں کے قتل اور ہراساں کرنے کے عمل کو روکنے کے طریقوں کے بارے میں تجاویز طلب کیں۔ ملزموں یا رشتہ داروں کی طرف سے قتل کا سب سے عام اور یکساں جواز یہی تھا کہ مقتولہ نے خاندان کی خواہشات کے خلاف شادی کی۔

تلنگانہ میں غیرت کے نام پر ایک مشتبہ قتل کیس میں پولیس کو معلوم ہوا کہ نچلی ذات دلت سے تعلق رکھنے والا شخص ایم مادھوکر 13 مارچ کو اپنے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسا۔ دلت حقوق کی علمبردار تنظیموں نے پولیس کے اس بیان کو رد کر دیا کہ یہ ایک خود کشی کا واقعہ تھا اور زور دیا کہ اونچی ذات کی لڑکی کے خاندان کے افراد اس کی ہلاکت میں ملوث تھے۔ 6 اپریل کو حیدرآباد ہائی کورٹ نے س بارے میں ہونے والے احتجاجی مظاہروں اور الزامات کے بعد کہ پارلیمان کا ایک مقامی رکن حقیقت کو چھپانے کی کارروائی میں ملوث تھا نعرش کا ایک اور پوسٹ مارٹم کرانے کا حکم دیا۔ سال کے اختتام تک اس کیس کے بارے میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔

پھر یہ رپورٹیں بھی موجود تھیں کہ ہندو دیوتاؤں سے علامتی شادی کے نظام ”دیوداسی“ میں جو جنسی مقاصد کے لیے کی جانے والی اسمگلنگ کی ایک قسم ہے، عورتوں اور لڑکیوں کو پروبتوں اور مندر کے بااثر افراد نے جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا، غیر سرکاری تنظیموں نے بتایا کہ خاندانوں نے بعض نچلی ذات کی لڑکیوں کو مندروں میں جسم فروشی کرنے پر مجبور کیا تاکہ وہ جہیز کے امکان اور خاندان کے مالی بوجھ کو کم کر سکیں۔ بعض ریاستوں میں مندروں میں کام کرنے والی عورتوں اور لڑکیوں سے جنسی زیادتی یا عصمت فروشی کے عمل کو روکنے کیلئے قوانین موجود ہیں لیکن ان قوانین کا اطلاق بدستور نرم رہا اور یہ مسئلہ وسیع تر بنیادوں پر پھیلتا رہا۔ بعض مبصرین اندازہ لگاتے ہیں کہ چار لاکھ 50 ہزار سے زائد عورتیں اور لڑکیاں مندروں کے حوالے سے عصمت فروشی میں ملوث رہیں۔

جادو کے الزامات سے نمٹنے کیلئے کوئی وفاقی قانون موجود نہیں تھا، تاہم حکام جادو کا الزام لگائے جانے والے متاثرہ شخص کے لیے مبادل کے طور پر دوسری قانونی شقیں استعمال کر سکتے

تھے۔ بہار، اڑیسہ، چھتیس گڑھ، راجستھان، آسام اور جھاڑکھنڈ میں ایسے قوانین موجود ہیں جن کے تحت دوسروں پر جادو کا الزام عائد کرنے والوں کے خلاف کارروائی کی جا سکتی ہے۔ بیشتر رپورٹوں میں بتایا گیا کہ دیہی اور مقامی کونسلوں نے جادو کا الزام لگانے والوں کو دیہات بدر کر دیا۔

جنسی طور پر ہراساں کرنا: جنسی طور پر ہراساں کرنے کا معاملہ بھی ایک سنجیدہ مسئلہ رہا۔ حکام نے ریاست کے ان تمام شعبوں اور اداروں سے جن کے پاس پچاس سے زیادہ ملازم ہوں یہ تقاضا کیا کہ وہ جنسی طور پر ہراساں کرنے کے عمل کو، جسے اکثر لڑکیوں کو چھیڑنا کہا جاتا ہے، روکنے اور اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے فعال کمیٹیاں بنائیں۔

آبادی پر کنٹرول کرنے کیلئے زبردستی: ایسی اطلاعات تھیں کہ لوگوں کے ساتھ زبردستی کی گئی اور انہیں نہ چاہتے ہوئے تولیدی صلاحیت ختم کرنے پر مجبور کیا گیا۔

حفظانِ صحت کے کارکنوں کی تنخواہوں کی ادائیگی کے سسٹم اور نجی اسپتالوں میں علاج کیلئے انشورنس کی ادائیگیوں کے سسٹم کی وجہ سے کچھ خواتین پر مبینہ طور پر ان کی بچہ دانی کو زبردستی بند کرانے یا اسے آپریشن کے ذریعے نکلوانے یا بانجھ کرنے کے دوسرے طریقے اپنانے کے لیے دباؤ ڈالا گیا۔ یہ دباؤ غیر متوازن طور پر غریب اور نچلی ذات کی عورتوں کے خلاف استعمال کیا گیا۔ ستمبر 2016 میں سپریم کورٹ نے حکم دیا کہ بانجھ کرنے کے کیمپوں کو تین سال کے اندر بند کر دیا جائے۔

ملک میں غیر محفوظ اسقاطِ حمل، زچگی کے دوران عورتوں کی اموات اور خاندانی منصوبہ بندی کیلئے زبردستی جاری رہی جس میں زبردستی اور غیر اخلاقی نس بندی اور خواتین کو دو سے زائد بچے پیدا نہ کرنے پر مجبور کرنا شامل ہیں۔ خاندانوں کو دو سے زائد بچے پیدا کرنے پر سزائیں دینے کی پالیسی اور ہدایات سات ریاستوں میں جاری رہیں۔ تاہم کچھ حکام نے انہیں سختی سے نافذ نہیں کیا۔ بعض ریاستوں نے ایسے بالغ افراد کیلئے سرکاری ملازمتوں کا کوٹہ برقرار رکھا جن کے دو سے زیادہ بچے نہیں تھے اور ان افراد کیلئے مراعات اور صحت کی سہولتوں تک رسائی محدود کر دی جن کے ہاں دو سے زائد بچے موجود تھے۔

راجھستان 1992 میں ان گیارہ ریاستوں میں سے پہلی تھی جنہوں نے مقامی سطح پر منتخب نمائندوں کے لیے دو بچوں کی حد کا قانون اپنایا۔ اگرچہ ریاستی سطح پر اس قانون کو ترک کرنے یا اس میں ترمیم کرنے کی کوششیں سامنے آئیں، تاہم اس سال کے دوران اس میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ غیر سرکاری تنظیم لائٹز کلیکٹو کے مطابق ایسی پالیسیوں نے خاندانوں کو ترغیب دی کہ وہ سیاسی عہدے کے لئے مستقبل کی اپنی اہلیت کو قربان کیے بغیر، دوسرے بچے کی پیدائش سے قبل جنس سے متعلق فیصلہ کریں تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ دو بچوں میں سے کم سے کم ایک لڑکا ضرور ہو۔

اگرچہ قومی سطح پر محکمہ صحت کے اہلکاروں نے نشاندہی کی کہ مرکزی حکومت کے پاس ریاستی حکومتوں کی طرف آبادی سے متعلق فیصلوں کو کنٹرول کرنے کا اختیار نہیں ہے، تاہم مرکزی حکومت اس بارے میں راہنما اصول تشکیل دیتی ہے اور بچوں کی پیدائش سے متعلق صحت کے پروگراموں کیلئے ریاستی حکومتوں کو فنڈ فراہم کرتی ہے۔ سپریم کورٹ کے ایک فیصلے میں مرکزی حکومت کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا کہ وہ ریاستی سطح پر نس بندی کیلئے معیاری

سہولتیں فراہم کرے لگ بھگ تمام ہی ریاستوں نے ”گرل چائلڈ پروموشن“ کے نام سے سکیمیں جاری کیں جن کا مقصد پیدائش کے لیے لڑکوں کے انتخاب کے رجحان کا توڑ کرنا تھا۔ ان میں سے بعض سکیموں میں مراعات حاصل کرنے کی خاطر والدین کو نس بندی کا سرٹیفکیٹ دینا لازمی قرار دیا گیا۔

حکومت کئی عشروں سے خاندانی منصوبہ بندی کیلئے خواتین کی نس بندی کو فروغ دے چکی ہے جس کے نتیجے میں ملک میں استعمال ہونے والے تمام تر مانع حمل طریقوں میں خواتین کی نس بندی کا تناسب 86 فیصد رہا۔ مانع حمل دواؤں اور طریقوں کے دائرے کو وسیع کرنے کی حالیہ کوششوں کے باوجود حکومت نے بسا اوقات خواتین کی مستقل نس بندی کو تمام متبادل طریقوں پر فوقیت دی۔

زچگی کے دوران خواتین کی اموات اور مانع حمل کارروائیوں کے تخمینے مندرجہ ذیل ویب سائٹ سے حاصل کئے جا سکتے ہیں:

www.who.int/reproductivehealth/publications/monitoring/maternal-mortality-2015/en/.

امتیازی سلوک: قانون جائے ملازمت پر امتیازی سلوک کی ممانعت کرتا ہے اور مساوی کام پر مساوی تنخواہ کا تقاضا کرتا ہے۔ تاہم آجر اکثر ایک ہی جیسے کام کیلئے خواتین کو مردوں سے کم اجرت دیتے رہے۔ وہ ملازمت میں اور کریڈٹ کی درخواستوں کے حوالے سے خواتین کے خلاف امتیاز برتتے رہے اور انہوں نے مردوں کے مقابلے میں خواتین کو ملازمت کے دوران نسبتاً کم تواتر کے ساتھ ترقیاں دیں۔

بہار سمیت زمین سے متعلق بہت سے قبائلی نظاموں میں قبائلی خواتین کو زمین کی ملکیت کے حق سے محروم رکھا گیا۔

جنوری 2016 میں بہار حکومت نے ریاستی حکومت کی ملازمتوں میں ہر سطح پر خواتین کیلئے 35 فیصد کوٹہ منظور کیا۔

جنسی بنیاد پر صنف کا انتخاب: حالیہ ترین مردم شماری (2011) کے مطابق قومی اوسط کے لحاظ سے پیدائش کے وقت مرد-عورت کا تناسب 1,000 کے مقابلے میں 943 تھا۔ قانون پیدائش سے پہلے صنف کے انتخاب کی ممانعت کرتا ہے تاہم حکام نے اس قانون پر شاذ و نادر ہی عمل نہیں کیا۔

بچے

پیدائش کی رجسٹریشن: قانون پیدائش کے اندراج کے حوالے سے ریاستی طریق کار کا تعین کرتا ہے۔ یونیسف کا تخمینہ تھا کہ حکام نے ہر سال ملک میں پیدا ہونے والے بچوں میں سے 58 فیصد کا اندراج کیا۔ جن بچوں کے پاس شہریت یا رجسٹریشن نہ ہو، وہ ممکن ہے کہ عوامی سہولتوں تک رسائی حاصل نہ کر پائیں، اسکولوں میں داخل نہ ہو سکیں بعد ازاں زندگی میں شناختی دستاویزات حاصل نہ کر پائیں۔

تعلیم: آئین 6 سے 14 برس کی عمروں کے بچوں کو مفت تعلیم کا حق دیتا ہے لیکن حکومت نے اس تقاضے کی ہمیشہ پاسداری نہیں کی۔ غیر سرکاری تنظیم ’پرائٹم‘ کے 2016 کے ”تعلیم سے متعلق

سالانہ سروے، میں بتایا گیا ہے کہ اتر پردیش، بہار، منی پور، مغربی بنگال اور مدھیہ پردیش کی ریاستوں میں اسکولوں میں لڑکیوں کی حاضری کی شرح 50 سے 60 فیصد کے درمیان تھی۔

اسکولوں سے باہر بچوں کی 2014 کے سروے رپورٹ کے مطابق 6 سے 13 سال کی عمر کے 28 فیصد معذور بچے اسکول نہیں گئے۔

بچوں کے ساتھ زیادتی: قانون بچوں کے ساتھ زیادتی کی ممانعت کرتا ہے لیکن یہ دیکھ بھال فراہم کرنے والوں کی طرف سے ہونے والی زیادتی، انہیں نظر انداز کئے جانے یا نفسیاتی طور پر زیادتی کے واقعات کو قابل سزا جرم قرار نہیں دیتا۔ اگرچہ جسمانی سزا دینے پر پابندی ہے تاہم اساتذہ نے اکثر اوقات ان کا استعمال کیا۔ حکومت لوگوں میں بچوں کے ساتھ زیادتی کے خلاف پوری طرح شعور پیدا کرنے یا قانون کو نافذ کرنے میں اکثر ناکام رہی۔

مئی میں انسانی امداد کی تنظیم 'ورلڈ وژن انڈیا' نے 26 ریاستوں میں 12 سے 18 سال کے 45,844 بچوں کا ایک سروے کیا جس سے معلوم ہوا کہ ہر دو میں سے ایک بچہ جنسی زیادتی کا شکار ہوا تھا۔ انصاف کے حصول کی کونسل کی رپورٹ کے مطابق 30 فیصد بچے اپنے رشتہ داروں کے ہاتھوں جنسی زیادتی کا نشانہ بنے اور مجموعی طور پر بچوں کی جنسی زیادتی کے 99 فیصد کیسز رپورٹ نہیں ہوئے۔

حکومت نے 402 مقامات پر 640 پارٹنرز کے ساتھ مل کر زیادتی کا شکار ہونے والے بچوں کیلئے 24 گھنٹے کی ہیلپ لائن تشکیل دی۔

کم عمری اور زبردستی کی شادیاں: قانون شادی کیلئے خواتین کی کم سے کم عمر 18 اور مردوں کیلئے 21 سال مقرر کرتا ہے اور عدالتوں کو اختیار دیتا ہے کہ وہ کم عمری کی شادیوں کو منسوخ کر دے۔ قانون ایسی شادیاں کرانے، ان کا انتظام کرنے اور ان میں شرکت کرنے والوں کیلئے سزائیں بھی تجویز کرتا ہے۔ حکام نے اس قانون کو مستقل طور پر لاگو نہیں کیا اور نہ ہی ایسی لڑکیوں کے بارے میں کوئی کارروائی کی جن کی عصمت دری کی گئی اور پھر ان کی شادی کر دی گئی۔ قانون 18 سال سے کم عمر کی لڑکی اور 21 سال سے کم عمر کے لڑکے کی شادی کو غیر قانونی قرار نہیں دیتا لیکن وہ ایسے بندھنوں سے قابل تنسیخ تسلیم کرتا ہے۔ بین الاقوامی اور مقامی غیر سرکاری تنظیموں کا کہنا ہے کہ اکثر واقعات میں ضابطے کی کارروائیوں کی رکاوٹوں کی وجہ سے کم عمر شادی شدہ افراد کیلئے قانونی چارہ جوئی ممکن نہیں رہی۔

قانون کے مطابق ہر ریاست میں بچوں کی شادی کو رکوانے کیلئے اور ایسے واقعات کی نگرانی کیلئے ایک کل وقتی افسر موجود ہوتا ہے۔ ان افسروں کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ بچوں کی شادی انجام پانے کے وقت مداخلت کر سکیں، قانون کی خلاف ورزی کے اس واقعے کا اندراج کر سکیں، والدین کے خلاف الزامات دائر کر سکیں، بچوں کو خطرناک صورت حال سے نکال سکیں اور انہیں بچوں کے تحفظ کے حکام کے سپرد کر سکیں۔

مئی میں کرناٹک ریاست نے پہلے سے موجود ایک قانون میں تبدیلی کرتے ہوئے بچوں کی ہر شادی کو غیر قانونی قرار دے دیا اور پولیس کو مخصوص کارروائی کا اختیار دے دیا۔

خواتین اور بچوں کی ترقی کی وزیر مملکت کرشنا راج نے 20 جولائی کو پارلیمنٹ کے ایوان بالا کو بتایا کہ NFHS-4 کے 2015-16 کے اعداد و شمار سے معلوم ہوا کہ 20 سے 24 سال کی ایسی خواتین کے تناسب میں کمی واقع ہوئی ہے جن کی شادی 18 سال سے کم عمر میں کر دی گئی تھی۔

بچوں کا جنسی استحصال: قانون چائلڈ پورنوگرافی کی ممانعت کرتا ہے اور رضا مندی کیلئے قانونی عمر کی حد 18 سال مقرر کرتا ہے۔ کسی کم عمر کے ساتھ جنسی فعل کرنے کیلئے معاوضہ دینا، اسے عصمت فروشی یا کسی بھی قسم کے ”ناجائز جنسی تعلقات“ کی ترغیب دینا یا کسی کم عمر کو جسم فروشی کیلئے بیچنا یا خریدنا غیر قانونی ہے۔ اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کیلئے 10 سال قید اور جرمانے کی ایک سزا مقرر ہے۔

دہلی کی تمام چھ عدالتوں میں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے کیسز کیلئے خصوصی عدالتیں موجود تھیں۔ تاہم سول سوسائٹی کے گروپوں کا مشاہدہ تھا کہ ججوں کیلئے کیسز کی بھرمار نے مقدمات پر وقت نمٹانے کی صلاحیت کو بری طرح متاثر کیا۔

فوجی بچے: اس بارے میں کوئی معلومات موجود نہیں ہیں کہ مسلح افواج میں 18 سال سے کم عمر کے کتنے افراد خدمات انجام دے رہے تھے۔ غیر سرکاری تنظیموں کا اندازہ ہے ماؤنوازوں کے زیر اثر علاقوں میں تخریب کار مسلح گروپوں اور جموں و کشمیر میں باغی گروپوں میں کم از کم 2,500 فوجی بچے موجود تھے۔ ایسے الزامات موجود تھے کہ حکومت کے حمایت یافتہ ماؤ مخالف دیہی دفاعی فورسز نے بچوں کو بھرتی کیا۔ (دیکھئے سیکشن 1.g، فوجی بچے)۔

بے دخل ہونے والے بچے: بے گھر ہونے والے بچوں کو، جن میں پناہ گزین، اندون ملک نقل مکانی کرنے والے (IDPs) اور سڑکوں پر رہنے والے بچے شامل تھے، سرکاری سہولیات تک رسائی محدود ہونے کا سامنا رہا (سیکشن 2.d بھی دیکھئے)۔

مخصوص اداروں میں رہنے والے بچے: ایکس قانون کے اطلاق اور حفاظتی تدابیر کے فقدان کے باعث متعدد گروپ ہومز اور یتیم خانوں میں سزا سے بریت کی فضا کی حوصلہ افزائی ہوئی۔

کلکتہ ریسرچ گروپ نے اطلاع دی کہ پولیس نے مغربی بنگال میں بھارت بنگلہ دیش سرحد پر قید ان خاندانوں کو بعض اوقات ان کم عمر جسٹس ہومز میں بھیجنے کے سسٹم کے ذریعے جدا کیا، جہاں ان بچوں کے لیے اپنے خاندانوں تک رسائی اور رابطے محدود تھے۔

بین الاقوامی سطح پر بچوں کا اغوا: بھارت بچوں کے بین الاقوامی اغوا کے شہری پہلو وں سے متعلق 1980 کے ہیگ کنونشن کا دستخط کنندہ نہیں ہے۔ محکمہ خارجہ کی رپورٹ برائے بین الاقوامی پیرنٹل چائلڈ ایڈکشن مندرجہ ویب سائٹ پر دیکھئے:

travel.state.gov/content/childabduction/en/legal/compliance.html.

یہود دشمنی

بھارت میں 4,650 افراد پر مشتمل یہودی برادری کے یہودی گروپوں نے اس سال کے دوران یہود دشمنی پر مبنی کارروائیوں کی کسی رپورٹ کا حوالہ نہیں دیا۔

انسانی حقوق کی مشق پر ملکی رپورٹ برائے 2017
محکمہ خارجہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ، بیورو آف ڈیموکریسی، ہیومن رائٹس اینڈ لیبر

انسانی سمگلنگ

محکمہ خارجہ کی انسانی سمگلنگ سے متعلق رپورٹ اس ویب سائٹ پر دیکھیے:
www.state.gov/j/tip/rls/tiprpt/.

معذوری کے شکار افراد

آئین میں معذوری کا خاص طور پر ذکر نہیں ہے۔ قانون مختلف اقسام کی معذوری کے شکار افراد کو برابر کے حقوق دیتا ہے اور معذور افراد کے حقوق سے متعلق ایکٹ 2016 میں تسلیم شدہ معذوریوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا جن میں پارکنسن کی بیماری اور تیزاب کے حملے شامل ہیں۔ قانون نے حکومت کیلئے معذور افراد کو فزیکل انفراسٹرکچر اور پبلک ٹرانسپورٹ سسٹمز تک غیر محدود اور مفت رسائی دینے کیلئے دو سال کی حتمی تاریخ مقرر کر دی ہے۔

قانون کے تحت تمام تعلیمی اداروں میں بھی معذور افراد کیلئے 3 فیصد اور سرکاری ملازمتوں میں 4 فیصد کوٹہ مقرر کیا گیا ہے۔ جون 2016 میں سپریم کورٹ نے حکومت کو ہدایت کی کہ معذور افراد کیلئے 4 فیصد کوٹہ تمام سرکاری ملازمتوں تک بڑھا دیا جائے۔ جون میں ایک سرکاری پینل نے فیصلہ کیا کہ نجی نیوز نیٹ ورکس کو ہر صورت عوامی نشریات کے دوران معذور افراد کے لیے سائن لینگویج میں ترجمانی، اور پروگرام کے عنوانات کا اہتمام کرنا چاہیے۔ حکومت نے بھرتی کی جانے والی ملازمتوں میں اضافے کے لیے پروگراموں اور غیر سرکاری پارٹنر تنظیموں کے لیے فنڈز مختص کیے۔

ان کوششوں کے باوجود مسائل برقرار رہے۔ نجی شعبے میں معذور افراد کو ملازمتوں کی فراہمی سرکاری ترغیبات کے باوجود کم رہی۔

ملازمتوں، تعلیم اور صحت کی دیکھ بھال کی سہولتوں تک رسائی کے حوالے سے معذوری کے شکار افراد کے ساتھ امتیازی سلوک دیہی علاقوں میں زیادہ رہا اور ملک بھر میں موجود معذور افراد میں سے 45 فیصد لوگ ناخواندہ تھے۔ ان کی عوامی عمارتوں تک رسائی محدود تھی۔ عمارتوں اور سڑکوں تک معذور افراد کی رسائی سے متعلق ایک PIL فائل سپریم کورٹ میں زیر التوا تھی۔

سکول کی تعلیم اور خواندگی کے ایک پروگرام کے تحت معذور افراد کیلئے خصوصی معلم اور ریسورس سینٹرز قائم کئے گئے۔ عام سکولوں میں معذوروں کو تعلیم دینے والے تربیت یافتہ اساتذہ، متعلقہ تعلیمی مواد اور مناسب نصاب کی کمی رہی۔

صحت اور فیملی ویلفیئر کی وزارت کے اندازے کے مطابق ذہنی معذوری کے شکار افراد کا 25 فیصد بے گھر تھا۔

ذہنی صحت کے کچھ مراکز میں مریضوں کو خوراک کی کمی، ناکافی صفائی کے انتظامات اور صحت کی دیکھ بھال کی خراب صورت حال کا سامنا رہا۔ HRW نے اطلاع دی کہ معذور خواتین اور

لڑکیوں کو کبھی کبھار اُن کی مرضی کے خلاف زبردستی ذہنی امراض کے اسپتال میں داخل کر دیا جاتا تھا۔

جون 2016 میں سپریم کورٹ نے حکومت کو ہدایت کی کہ معذور افراد کیلئے تمام سرکاری ملازمتوں میں 4 فیصد کوٹہ مقرر کیا جائے۔

قومی/نسلی/گروہی اقلیتیں

آئین کے تحت ذات کی بنیاد پر امتیاز برتنے کی ممانعت ہے۔ ایسے میں کہ جب جبکہ حکومت نے نچلی ذات کے لوگوں کو با اختیار بنانے کے پروگراموں پر عمل درآمد کیا، افرمیٹو ایکشن پروگراموں کے تحت ذاتوں اور قبیلوں کا اندراج جاری رہا۔ ذات پات کی بنیاد پر امتیاز برتنے کا سلسلہ خصوصی طور پر دیہی علاقوں غالب رہا۔

”دلت“ کی اصطلاح سنسکرت سے اخذ کی گئی جس کا مطلب ”مظلوم“ یا ”کچلے ہوئے لوگ“ ہیں اور یہ ہندوؤں کی سب سے نچلی ذات کے لوگوں کیلئے استعمال ہوتی ہے جنہیں شیڈولڈ کاسٹ (SC) بھی کہا جاتا ہے۔ شیڈولڈ کاسٹ کے افراد کے ساتھ تعلیم، ملازمتوں، انصاف تک رسائی، نقل و حمل کی آزادی اور اداروں اور خدمات سمیت سماجی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں برقرار رہیں۔ 2011 کی مردم شماری کے مطابق شیڈولڈ کاسٹ افراد ملک کی کل آبادی کا 17 فیصد (تقریباً 20 کروڑ) تھے۔

اگرچہ قانون دلت لوگوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے، صحت کی دیکھ بھال، تعلیم، مندر میں حاضری اور شادی سمیت خدمات تک رسائی میں اُن کے خلاف تشدد اور شدید امتیاز برتنے کی صورت حال دیکھنے میں آئی۔ بہت سے دلت لوگ خوراک کی کمی کا شکار تھے۔ قرض سے بندھے ہوئے مزدور زیادہ تر دلت افراد پر مشتمل تھے۔ ایسے دلت لوگ جنہوں نے اپنے حقوق پر زور دیا، وہ خاص طور پر دیہی علاقوں میں حملوں کا نشانہ بنے۔ اعلیٰ ذات کے زمینداروں کیلئے زرعی کام کرنے والے دلت مزدور وں کو مبینہ طور پر اکثر بغیر معاوضے کے کام پر مجبور کیا گیا۔ نسلی امتیاز کے خاتمے سے متعلق اقوام متحدہ کی کمیٹی نے دلت لوگوں کے منظم استحصال کئے جانے کی اطلاع دی جس میں ماورائے عدالت قتل اور دلت خواتین کے ساتھ جنسی تشدد شامل تھے۔ دلت لوگوں کے ساتھ ہونے والے جرائم میں مبینہ طور پر کوئی سزائیں نہیں دی گئیں جس کی وجہ یہ تھی کہ یا تو حکام نے ظلم کرنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی نہیں کی یا پھر متاثرین نے انتقامی کارروائی کے خوف سے اس بارے میں شکایت درج نہیں کرائی۔

غیر سرکاری تنظیموں نے دلت افراد کے خلاف وسیع پیمانے پر امتیازی سلوک کی نشاندہی کی جس میں انہیں عوامی فٹ پاتھ پر چلنے، جوتے پہننے، اونچی ذات کے ہندوؤں کے علاقوں میں عام نلکوں سے پانی لینے، مندروں میں کچھ تہواروں میں شرکت، عوامی تالابوں میں نہانے یا بعض شمشان گھاٹ کے استعمال سے روکا گیا۔ مثال کے طور پر گجرات میں دلت لوگوں کو مبینہ طور پر مندروں میں جانے سے روک دیا گیا اور تعلیمی اور ملازمتوں کے مواقع سے محروم کر دیا گیا۔

غیر سرکاری تنظیموں کی اطلاعات کے مطابق دلت طالب علموں کو بعض اسکولوں میں اُن کی ذات کے باعث داخلہ دینے سے انکار کیا گیا یا پھر انہیں کہا گیا کہ وہ داخلے سے قبل ذات کے بارے میں سرٹیفکیٹ پیش کریں۔ ایسی اطلاعات بھی ملیں کہ اسکول اہلکاروں نے دلت بچوں کو صبح ہونے والی

دعا یہ تقریب میں شرکت سے رک دیا گیا، انہیں کلاس میں سب سے پیچھے بیٹھنے کیلئے کہا گیا یا پھر انہیں اسکول کے غسل خانوں کی صفائی کرنے پر مجبور کیا گیا حالانکہ انہیں خود ان غسل خانوں کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ مزید اطلاعات کے مطابق اساتذہ نے دلت بچوں کا ہوم ورک چیک کرنے سے انکار کر دیا، انہیں دوپہر کا کھانا فراہم کرنے سے بھی انکار کیا گیا اور دلت بچوں کو کہا گیا کہ وہ اونچی ذات کے خاندانوں کے بچوں سے الگ بیٹھیں۔

اپریل میں اتر پردیش میں نچلی ذات کے دلت لوگوں کے حقوق کے لیے کام کرنے والے ایک گروپ بھیم آرمی کے حامیوں کو مبینہ طور پر اتر پردیش میں اونچی ذات کے منظم ٹھاکر زمینداروں کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ دلت لوگوں کے 50 سے زیادہ گھروں کو مبینہ طور پر نذر آتش کر دیا گیا اور اس تشدد میں بہت سے افراد زخمی ہوئے۔ ہزاروں دلت افراد نے مئی میں بھیم آرمی کی سرکردگی میں تشدد کے خلاف مظاہرہ کیا۔ مختلف برادریوں کے درمیان محاذ آرائی بڑھنے کے بعد پولیس نے بھی آرمی کے بہت سے فعال کارکنوں کو گرفتار کر لیا جن میں اس کے لیڈر چندرشیکھر آزاد بھی شامل تھے۔ ریاستی پولیس نے مبینہ طور پر ان واقعات میں شریک اونچی ذات کے لوگوں کو گرفتار نہیں کیا۔

وفاقی اور ریاستی حکومتوں نے ایسے پروگرام جاری رکھے جن کے تحت نچلی ذات کے لوگوں کو بہتر معیار کی رہائش، اسکولوں میں کوٹہ، سرکاری ملازمتیں اور رعایتی نرخوں پر خوراک تک رسائی فراہم کی گئی۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ ان میں سے بہت سے پروگرام ناقص عمل درآمد اور/یا کرپشن کے باعث متاثر ہوئے۔

قانون کی ممانعت کے باوجود دلت لوگوں کو جانوروں اور انسانوں کے فضلے کو ہاتھوں سے صاف کرنے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ غیر سرکاری تنظیموں کا کہنا ہے کہ دیہی کونسلوں کے منتخب ارکان نے جن لوگوں کو بھنگی کے طور پر ملازم رکھا ان کی اکثریت کا تعلق پسماندہ اور دلت آبادیوں سے تھا۔ میڈیا بدستور ایسے مضامین اور تصاویر شائع کرتا رہا جن میں افراد کو حفاظتی سامان کے بغیر مین ہولوں اور گندے پانی کے نالوں کو صاف کرتے ہوئے دکھایا گیا۔ 16 مارچ کو سماجی انصاف اور لوگوں کو با اختیار بنانے کی وزارت نے بتایا کہ 13 ریاستوں اور یونین کے علاقوں میں 12,737 بھنگی کام پر رکھے گئے۔ تاہم غیر سرکاری تنظیموں کا موقف تھا کہ اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔

HRW کا کہنا تھا کہ بھنگیوں کے بچوں کو امتیازی سلوک، تذلیل اور دیہی اسکولوں میں علیحدہ رکھے جانے کا سامنا رہا۔ بھنگیوں کو ان کے پیشے کی وجہ سے ایسی انفیکشن کا سامنا کرنا پڑا جس سے ان کی جلد، آنکھیں، تنفس اور انتڑیوں کا نظام بری طرح متاثر ہوا۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ ایسے بیکٹیریا سے متاثرہ بچے صحتمند جسمانی وزن برقرار نہ رکھ سکے اور ان کی نشوونما بری طرح متاثر ہوئی۔

بھنگیوں کو کام پر رکھنا یا ایسی خشک لیٹرین تعمیر کرنا خلاف قانون ہے جس میں فلش سسٹم نہ ہو اور اس کیلئے ایک سال تک قید، 2,000 روپے (\$32) جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں۔

آبائی باشندے

آئین آبائی لوگوں کے پسماندہ گروپوں کو سماجی، اقتصادی اور سیاسی حقوق فراہم کرتا ہے۔ آئین کے تحت آبائی لوگوں کو خصوصی حیثیت حاصل ہے۔ تاہم حکام نے اکثر انہیں ان کے حقوق سے محروم رکھا۔

زیادہ تر شمالی مشرقی ریاستوں میں جہاں آبائی باشندوں کے گروپس اکثریت میں ہیں قانون انہیں قبائلی حقوق فراہم کرتا ہے۔ تاہم کچھ مقامی حکام نے ان ضابطوں کو نظر انداز کئے رکھا۔ قانون دیگر ریاستوں کے شہریوں سمیت کسی بھی غیر قبائلی فرد کو کسی مستند اجازت نامے کے بغیر حکومت کی طرف سے قائم کسی اندرونی سرحد کو عبور کرنے کی ممانعت کرتا ہے کوئی بھی شخص محفوظ علاقوں سے رٹ، موم، آئیوری یا جنگل کی دوسری اشیا بغیر اجازت نہیں لے جا سکتا۔ غیر قبائلیوں کیلئے زمین کی فروخت کے لیے قبائلی حکام کی منظوری حاصل کرنا لازمی ہے۔

جنسی رجحان اور صنفی شناخت کے حوالے سے تشدد، امتیازی سلوک اور دیگر زیادتیوں کی کارروائیاں

ایک ہی جنس کے افراد کے درمیان جنسی تعلقات قانوناً جرم ہیں۔ ملک میں بیجڑوں (مرد سے عورت کی جانب ٹرانس جینڈر رجحان کے افراد) کو تیسری صنف کے طور پر شناخت کیا جاتا ہے جو مردوں یا خواتین سے مختلف ہے۔ لڑبیں یعنی ہم جنس پرست عورتیں، گے، یعنی ہم جنس پرست مرد، ہائی سیکسول یعنی دو جنسی، ٹرانس جینڈر یعنی تیسری صنف اور انٹر سیکس یعنی دونوں جنسوں کی خصوصیات کے حامل افراد (LGBTI) کو جسمانی حملوں، ریپ اور بلیک میلنگ کا سامنا رہا۔ پولیس کے کچھ اہلکاروں نے LGBTI افراد کے خلاف جرم کئے اور انہیں ان کے بارے میں رپورٹ کرنے سے روکنے کی خاطر گرفتار کرنے کی دھمکیاں دیں۔ غیر سرکاری تنظیموں کی مدد سے متعدد ریاستوں نے پولیس کو آگاہی اور حساسیت کے حوالے سے تربیت فراہم کی۔

LGBTI گروپوں کا کہنا تھا کہ انہیں وسیع پیمانے پر معاشرے کی طرف سے امتیازی سلوک اور تشدد کا سامنا کرنا پڑا جو خاص طور پر دیہی علاقوں میں شدت سے موجود رہا۔ فعال کاکنوں کے مطابق HIV میں مبتلا ٹرانس جینڈر افراد کو طبی امداد حاصل کرنے میں شدید مشکلات پیش آتی رہیں۔

جنوری 2015 میں ہائی کورٹ نے ان درخواستوں کو خارج کر دیا جن میں 2013 میں سپریم کورٹ کی طرف سے ہم جنس پرستی کو جرم قرار دینے کے نو آبادیاتی دور کا قانون بحال کرنے کے فیصلے کو چیلنج کیا گیا تھا۔ تاہم عدالت نے فیصلے پر نظر ثانی کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ مزید براں اگست میں ملک کے شہریوں کے پرائیویسی کے آئینی حق کے حوالے سے سپریم کورٹ نے صنفی کیفیت کو ”پرائیویسی کا ایک اہم حصہ“ قرار دیا۔ وزارت برائے صحت اور فیملی ویلفیئر نے فروری میں ”ساتھیا تعلیمی منصوبہ 2017“ جاری کیا۔ یہ مواد جنسی تعلیم سے متعلق ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی بھی فرد اپنے کسی ہم جنس یا مخالف جنس کے بارے میں کشش محسوس کر سکتا ہے۔

اپریل میں پرتھیکا یاشینی بھارت کی وہ پہلی ٹرنس جینڈر شخص بن گئیں جو دھرم پورہ، تامل ناڈو کی پولیس فورس میں شامل ہوئیں۔ شروع میں انہیں پولیس میں ملازمت دینے سے انکار کر دیا گیا تھا۔ تاہم بعد میں مدراس ہائی کورٹ نے مداخلت کرتے ہوئے ان کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

مئی میں کیرالہ حکومت نے کوچی میں 21 ٹرانس جینڈر افراد کو ملازمتیں دیں۔ تاہم کئی ہفتوں بعد ان میں سے بہت سے ٹرانس جینڈر افراد نے ملازمتوں سے استعفیٰ دے دیا کیونکہ انہیں ان کی صنفی کیفیت کی وجہ سے کوچی میں گھر کرائے پر لینا مشکل ہو رہا تھا۔

HIV اور ایڈز کے حوالے سے سماجی رسوائی

گزشتہ ایک دہائی کے دوران HIV کے کیسز میں 57 فیصد کمی واقع ہوئی۔ یہ وبا آبادی کے جلد متاثر ہونے والے حصوں میں مسلسل جاری رہی: ہائی رسک والے گروہ، جن میں جسم فروش خواتین؛ ہم جنس پرست مرد؛ ٹرانس جینڈر افراد؛ اور ٹیکوں کے ذریعے منشیات استعمال کرنے والے لوگ شامل ہیں۔

علاوہ انہیں کچھ ریاستوں میں HIV اور ایڈز کے علاج کیلئے مخصوص دواؤں کے سٹاک ختم ہو جانے سے علاج میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں۔ حکومت نے 11 اپریل کو HIV اور ایڈز (احتیاط اور کنٹرول) کا بل منظور کیا۔ بل کا مقصد معمول کی صحت کی دیکھ بھال، ملازمت، تعلیم، رہائش، معاشی طور پر شرکت یا سیاسی نمائندگی میں امتیازی سلوک کی روک تھام کرنا ہے۔

نیشنل ایڈز کنٹرول پروگرام کے تحت ہائی رسک گروپوں میں HIV کی روک تھام، دیکھ بھال اور علاج کی فراہمی اور HIV کے ساتھ زندگی گزارنے والوں کے حقوق کو فوقیت دی گئی۔ نیشنل ایڈز کنٹرول تنظیم نے خواتین کے HIV/ ایڈز کے اپنی مدد آپ کے تحت کام کرنے والے گروپوں کی تربیت کیلئے غیر سرکاری تنظیموں کے ساتھ قریبی اشتراک سے کام کیا۔

پولیس انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں اور HIV کی خطرے سے دوچار کمیونٹیز کے تحفظ میں ان کے کردار کو مضبوط کرنے سے متعلق پروگراموں میں شامل رہی۔

سماجی تشدد یا امتیازی سلوک کی دیگر کیفیات

مذہب سے وابستہ گروپوں کی طرف سے مذہب اور ذات پات پر مبنی سماجی تشدد مسلسل تشویش کا باعث رہا۔ وزارت داخلہ کے 2016-17 کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ نسلی (مذہبی) فسادات کے 703 واقعات پیش آئے جن میں 86 افراد ہلاک اور 2,321 زخمی ہوئے۔

26 جولائی کو پارلیمنٹ کے ایوان بالا نے نفرت پر مبنی جرائم کے حوالے سے ایک بیان جاری کیا جس میں یونین اور داخلہ امور کی وزارت پر زور دیا گیا کہ وہ تحفظ کے احساس کو مضبوط بنانے اور شمال مشرقی علاقے میں رہنے والے تمام شہریوں کو قومی دھارے میں شامل کریں۔ سپریم کورٹ کی ایک ہدایت کے جواب میں ایسے خدشات کو دور کرنے کیلئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔

اس سال کے دوران گائے کے حوالے سے حملوں میں اضافہ دیکھا گیا جو عمومی طور پر انتہاپسند ہندوؤں کی طرف سے کئے گئے۔ 2010 سے اب تک رپورٹ ہونے والے 63 حملوں میں سے 61 حملے مسلمانوں پر کئے گئے اور ان حملوں میں مارے جانے والے 28 افراد میں سے 24 مسلمان تھے۔ HRW کے مطابق گائے کے حوالے سے 2015 سے اب تک 10 مسلمانوں کو ہلاک کر دیا گیا

انسانی حقوق کی مشق پر ملکی رپورٹ برائے 2017
محکمہ خارجہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ، بیورو آف ڈیموکریسی، ہیومن رائٹس اینڈ لیبر

جن میں ایک 12 سالہ بچہ بھی شامل تھا متعدد واقعات میں پولیس نے حملوں کا شکار ہونے والوں پر گائے کو ذبح کرنے سے متعلق موجودہ قوانین کے تحت فرد جرم عائد کر دی۔ ایک آزاد صحافتی ادارے ’انڈیا سپینڈ‘ کی ایک رپورٹ کے مطابق ہجوم کی طرف سے اقلیتی افراد کو مار مار کر ہلاک کر دینے کے واقعات جھاڑکھنڈ، مدھیہ پردیش، راجستھان اور اتر پردیش میں ہوئے سال کے پہلے چھ ماہ کے دوران گائے کی حرمت کے حوالے سے 20 حملوں کی اطلاع ملی جو 2016 کے مقابلے میں 75 فیصد زیادہ ہیں۔

میڈیا رپورٹس کے مطابق 22 جون کو ہریانہ میں ایک ہجوم نے 16 سالہ جنید خان کو ایک ٹرین میں چھریوں سے وار کر کے اس الزام میں ہلاک کر دیا کہ وہ اور اس کے تین ساتھی بیف لے کر جا رہے تھے۔ ہریانہ پولیس نے اس کیس میں چھ افراد کو گرفتار کیا۔ 9 جولائی کو مہاراشٹر پولیس نے اس کیس کے اصل مشتبہ شخص نریش کمار کو گرفتار کر لیا اور اگست تک چھ میں سے چار ملزمان ضمانت پر رہا کر دئے گئے تھے۔

11 ستمبر کو انسانی حقوق کیلئے اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر زید رعد الحسین نے انسانی حقوق کی کونسل کے 36ویں افتتاحی اجلاس میں بتایا کہ انہیں بھارت میں مذہبی اور دیگر اقلیتوں کے خلاف بڑھتے ہوئے عدم برداشت پر تشویش ہے۔ انہوں نے کہا کہ ”گائیوں کی زندگی کے تحفظ کے بہانے سے ہجوم کی طرف سے افراد کے خلاف حملوں اور تشدد کی موجودہ ہلاکت خیز لہر انتہائی پریشان کن ہے۔“

سیکشن 7: کارکنوں کے حقوق

الف: اجتماع کی آزادی اور اجتماعی سودے بازی کا حق

قانون اجازت دیتا ہے کہ لوگ یونین بنا کر اور اس میں شامل ہو کر اجتماعی سودے بازی کر سکیں اگرچہ آجروں پر کوئی قانونی پابندی نہیں ہے کہ وہ یونین کو تسلیم کریں یا اجتماعی سودے بازی میں شامل ہوں۔ ریاست سکم میں ٹریڈ یونین کی رجسٹریشن کیلئے ریاستی حکومت سے پیشگی اجازت حاصل کرنا ضروری تھا۔ قانون وفاقی اور ریاستی سرکاری ملازمین کے تنظیمی حقوق کو محدود کرتا ہے۔

قانون ہڑتال کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ تاہم بعض کارکنوں کیلئے اس حق پر پابندیاں عائد کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر ایکسپورٹ پراسیسنگ زونز (EPZs) میں اس کیلئے 45 دن کا نوٹس دینا ضروری ہے کیونکہ ایکسپورٹ پراسیسنگ زونز کو ”عوامی سہولتیں“ قرار دیا گیا ہے۔ قانون کے تحت حکومت سرکاری ملکیت کے اداروں میں ہڑتال پر پابندی لگا سکتی ہے اور مخصوص ”ضروری صنعتوں“ میں ثالثی کا تقاضا کرتی ہے۔ ”ضروری صنعتوں“ کی تعریف ہر ریاست میں مختلف ہے۔ قانون کے تحت یونین کے خلاف امتیازی سلوک اور قانونی ہڑتال میں شریک ہونے کی صورت میں کسی انتقامی کارروائی کی اجازت نہیں ہے اور قانون یونین کے اقدامات کے حوالے سے برطرف کئے جانے والے ملازمین کی بحالی پر زور دیتا ہے۔

اس قانون کا اطلاق مختلف ریاستوں میں اور مختلف شعبوں میں مختلف رہا۔ اس قانون کا نفاذ عام طور پر بڑی اور منظم صنعتوں میں بہتر رہا۔ تاہم حکام نے عام طور پر ان افراد کے خلاف تحقیقات کیں اور انہیں سزا دی جنہوں نے صنعتی شعبے میں ٹریڈ یونین کی قانونی سرگرمیوں کے سلسلے میں دھونس دی یا انہیں دبانے کی کوشش کی۔ سول عدالتی ضابطوں کے تحت خلاف ورزیوں سے نمٹنے کی کوشش کی گئی کیونکہ ٹریڈ یونین ایکٹ کے تحت اس کیلئے سزائیں مقرر نہیں ہیں۔ خصوصی لیبر کورٹس مزدوروں سے متعلق تنازعات کو نمٹاتی ہیں لیکن حل طلب کیسز طویل مدت کے لیے التوا کا شکار ہوئے یا ناتمام رہے۔

آجروں نے عام طور پر باضابطہ صنعتی شعبے میں اجتماع کی آزادی اور اجتماعی سودے بازی کے انتظام کا احترام کیا لیکن بڑی اور غیر سرکاری معیشت میں ایسا نہیں کیا۔ یونینوں کے زیادہ تر ارکان باضابطہ سیکٹر میں کام کرتے تھے اور ٹریڈ یونینیں زرعی اور غیر سرکاری سیکٹر کی ایک چھوٹی سی تعداد کے کارکنوں کی نمائندگی کرتی تھیں۔ یونینوں سے منسلک ورکرز میں سے لگ بھگ 80 فیصد پانچ بڑی ٹریڈ یونین فیڈریشنز میں سے ایک کے ساتھ سے وابستہ تھے۔ یونینیں حکومت سے آزاد تھیں لیکن پانچ میں چار بڑی فیڈریشنیں بڑی سیاسی جماعتوں سے وابستہ تھیں۔ محنت اور روزگار کی وزارت کے مطابق 2015 میں 163 ہڑتالیں ہوئیں۔ ریاستی اور مقامی حکام نے بعض اوقات اپنا اختیار استعمال کرتے ہوئے ہڑتالوں کو غیر قانونی قرار دیا اور مفاہمت پر مجبور کیا۔ سیلف ایمپلائڈ ویمنز ایسوسی ایشن جیسی رکنیت سازی پر مبنی تنظیموں نے کامیابی کے ساتھ غیر سرکاری شعبوں کے ورکرز کو منظم کیا اور اپنے کام یا پیداوار کے لیے پہلے سے زیادہ اجرت حاصل کرنے میں ان کی مدد کی۔

31 مئی کو روہتک، ہریانہ کی ایسن آٹوموٹو کمپنی کے 425 کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ کارکن اپنے ان ساتھیوں کی برطرفی کے خلاف احتجاج کر رہے تھے جنہوں نے ایک ٹریڈ یونین بنانے کی کوشش کی تھی۔ گرفتار ہونے والے کارکنوں پر حملہ کرنے اور سرکاری اہلکاروں کے کام میں رخنہ ڈالنے کے الزامات عائد کئے گئے اور پھر بعد میں انہیں ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔ لیبر کے گروپوں نے بتایا کہ کچھ آجر منظم یونینوں کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے رہے اور بعض نے اس کی بجائے ”ورکرز کمیٹیاں“ اور آجروں کے کنٹرول پر مبنی یونینیں قائم کر دیں تاکہ خود مختار یونینوں کو منظم ہونے سے روکا جاسکے۔ EPZs اکثر عارضی کنٹریکٹ پر ورکرز کو بھرتی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ EPZs میں صرف اور صرف ملازمین کے داخلے کی پابندیوں نے یونین کے منتظمین کی رسائی محدود کر دی۔ 22 اگست کو ریاستی ملکیت کے بینکوں کے لگ بھگ دس لاکھ ملازمین نے مختلف بینکوں کے ادغام سے متعلق وفاقی حکومت کے منصوبوں پر احتجاج کرتے ہوئے ہڑتال کی۔

ب. جبری یا لازمی مزدوری کی ممانعت

قانون ہر قسم کی جبری یا لازمی مزدوری کی ممانعت کرتا ہے لیکن یہ مسئلہ جس میں پیشگی معاوضے کے تحت مزدوری سے بندھے بچے شامل تھے (دیکھئے سیکشن 7.C)، وسیع پیمانے پر موجود رہا۔

قرض کی بنیاد پر مزدوری سے جڑے مزدوروں کی تعداد کے تخمینوں میں بہت زیادہ فرق تھا اگرچہ بعض غیر سرکاری تنظیموں نے ان کی تعداد کروڑوں میں بتائی۔ قرض سے بندھی مزدوری

زیادہ تر زرعی شعبے میں ہوئی۔ ان غیر زرعی شعبوں میں جہاں بندھی مزدوری کے واقعات کی تعداد زیادہ تھی پتھر نکالنے کی کانیں، اینٹوں کے بھٹے، چاول کے کارخانے، تعمیراتی شعبہ، کشیدہ کاری کی فیکٹریاں اور بیڑیوں (ہاتھ سے رول کر کے بنائے جانے والی سگرٹوں) کے کارخانے شامل ہیں۔

قانون کا نفاذ اور متاثرہ کارکنوں کو معاوضے کی ادائیگی ریاستی اور مقامی حکومتوں کی ذمہ داری ہے لیکن اس کا مؤثر طور پر اطلاق ہونا مختلف رہا۔ حکومت نے قرض سے بندھی مزدوری یا مزدوروں کی اسمگلنگ کے قوانین، مثلاً بانڈڈ لیبر سسٹم (خاتمہ) ایکٹ، کا عمومی طور پر موثر اطلاق نہیں کیا۔ جب انسپکٹروں نے اس قانون کی خلاف ورزی پر مقدمات کی سفارش کی، تو عدالتوں میں مقدمات کی بھرمار، ناکافی قانونی کرروائی اور ترجیحات کے فقدان کے نتیجے میں بعض اوقات ملزم چھوٹ گئے۔ مقدمات ساز و نادر ہی ہو سکے۔

قرض سے بندھی مزدوری کو روکنے کیلئے محنت اور روزگار کی وزارت بین الاقوامی لیبر آرگنائزیشن کے ساتھ ملکر کام کرتی رہی جس میں آندھرا پردیش اور اڑیسہ کی ریاستوں میں ”کنورجینس پروگرام“ بھی شامل ہے۔ یہ پروگرام ایسے ورکرز کیلئے ہے جنہیں بندھی ہوئی مزدوری کیلئے ہدف بنائے جانے کا خطرہ درپیش ہو۔

وزارت محنت و روزگار نے بتایا کہ مرکزی حکومت کی مالی امداد سے ریاستی حکومت کی طرف سے چلنے والی سپانسرڈ سکیم کے ذریعے 2,607 بندھے ہوئے مزدوروں کو اپریل 2016 سے مارچ 2017 کے دوران بندھی ہوئی مزدوری سے آزاد کرا یا گیا۔ کچھ غیر سرکاری تنظیموں نے بندھے ہوئے مزدوروں کی رہائی کیلئے ریلیز سرٹیفکیٹس کے حصول میں تاخیر کی اطلاع دی۔ یہ سرٹیفکیٹ یہ ثابت کرنے کیلئے ضروری تھے کہ آجروں نے انہیں بندھے ہوئے مزدوروں کی حیثیت سے رکھا تھا اور وہ قانون کے تحت معاوضے کے حقدار تھے۔ مختلف ریاستوں میں بحالی کے فنڈز کی تقسیم مختلف رہی۔ مئی 2016 میں حکومت نے بندھے ہوئے مزدوروں کی بحالی کے پروگرام پر نظر ثانی کی اور متاثرین کا زرتلاقی مردوں کیلئے 20,000 روپے (\$320) سے بڑھا کر 100,000 روپے (\$1,600)، خواتین اور مزدور بچوں کیلئے 200,000 روپے (\$3,200) اور جنسی زیادتی کے شکار خواتین اور بچوں کیلئے 300,000 روپے (\$4,800) کر دیا۔

قرض سے بندھی مزدوری خاص طور پر اینٹوں کے بھٹوں پر کئی ریاستوں میں مسلسل تشویش کا باعث رہی۔ مارچ میں اتر پردیش کے حکام نے ایک غیر سرکاری تنظیم کے تعاون سے ریاست میں اینٹوں کے دو بھٹوں سے قرض سے بندھے 149 مزدوروں کو آزاد کرایا۔

10 مارچ کو کرناٹک کی ضلعی عدالت نے ایک اینٹوں کے بھٹے کے مالک کو سزا سنائی جس نے 12 مزدوروں کو دس سال تک قرض سے بندھے مزدوروں کی حیثیت سے سخت مشقت پر قید میں رکھا تھا۔

عدالت نے اسے قرض سے بندھے مزدوروں کو اپنے احاطوں میں رکھنے پر تقریباً 15,500 روپے (\$250) کا جرمانہ عائد کیا۔ حکام نے اسے بانڈڈ لیبر سسٹم کے خاتمے کے ایکٹ کے ساتھ ساتھ تعزیرات ہند کی دفعہ 370 کے تحت یہ سزا دی۔

24 جولائی کو دہلی میں قائم نیشنل کیمپین کمیٹی برائے انسداد بندھک مزدوری کی شکایت پر 25 بچوں اور 29 عورتوں سمیت 88 کے لگ بھگ بندھے ہوئے مزدوروں کو ایک اینٹوں کے بھٹے سے آزاد کرایا گیا۔

SC اور ST کے ارکان ملک کے کئی حصوں میں غلامی کے روایتی انتظام کے تحت رہتے اور کام کرتے رہے۔ اگرچہ مرکزی حکومت نے خاصے عرصے سے بندھی ہوئی مزدوری پر مبنی غلامی کو ختم کر دیا تھا، معاشرے کے یہ گروپ مسلسل غربت کا شکار رہے اور یوں جبری مشقت کیلئے استحصال کے ممکنہ طور پر شکار رہے۔ یہ صورت حال خاص طور پر اروناچل پردیش میں جاری رہی۔

مزید دیکھئے محکمہ خارجہ کی انسانوں کی تجارت سے متعلق رپورٹ مندرجہ ذیل ویب سائٹ پر۔

www.state.gov/j/tip/rls/tiprpt/.

ج: چائلڈ لیبر کی روک تھام اور ملازمت کیلئے کم سے کم عمر

حکومت نے 14 سال سے کم عمر بچوں کو ملازم رکھنے پر پابندی کیلئے اگست 2016 میں چائلڈ لیبر کے خاتمے کا ایکٹ میں ترمیم کر دیا۔ ترمیم شدہ قانون کے تحت 14 سال سے 18 سال تک کی عمر کے بچوں کو خطرناک قسم کے کاموں پر ملازم رکھنے کی پابندی ہے سوائے کانوں میں کام کرنے کے۔ قانون بچوں کو آگ لگنے والا، دھماکہ خیز یا دیگر خطرناک مواد، جس کی قانون میں وضاحت کی گئی ہے، استعمال کرنے سے روکتا ہے۔ مارچ میں وزارت محنت و روزگار نے 16 نئی صنعتوں اور 59 اقدامات کو خطرناک مواد والی صنعتوں کی فہرست میں شامل کر دیا جہاں 18 سال سے کم عمر کے بچوں پر کام کرنے کی پابندی عائد کی گئی ہے اور جہاں 14 سال سے کم عمر کے بچوں کو کام میں مدد سے روک دیا گیا ہے جن میں خاندان کی طرف سے چلائے جانے والے کاروبار بھی شامل ہیں۔ تاہم قانون بچوں کو اسکول کے بعد اپنے خاندان کی طرف سے چلائے جانے والے ایسے کاروباروں میں ملازمت کی اجازت دیتا ہے جن میں ایسا مواد استعمال ہوتا ہے جو خطرناک نہیں ہے۔ اس کے باوجود چائلڈ لیبر وسیع پیمانے پر جاری رہا۔

ریاستی حکومتوں نے مزدوروں سے متعلق قانون کو نافذ کیا اور لیبر انسپکٹرز کو تعینات کیا جبکہ محنت اور روزگار کی وزارت نے نگرانی اور رابطہ کاری کے فرائض انجام دئے۔ قانون کی خلاف ورزیاں البتہ عام رہیں۔ ترمیم شدہ قانون کے تحت خطرناک مواد والی جگہوں پر کام پر رکھے جانے والے ہر بچے کے حوالے سے 20,000 روپے (\$320) سے 50,000 روپے (\$800) تک جرمانے کی سزا مقرر ہے۔ ایسے جرمانے اس جرم کی خلاف ورزی روکنے میں ناکافی ثابت ہوئے اور حکام نے اسے کبھی کبھار ہی عملی طور پر نافذ کیا۔ یہ جرمانے کام پر رکھے جانے والے سابقہ بچوں کی بہبود کے فنڈ میں جمع کرائے جاتے ہیں۔

وزارت محنت و روزگار نے ڈراموں اور کمیونٹی کی تقریبات جیسے اقدامات کیلئے مالی معاونت کر کے بچوں کی مشقت کے بارے میں شعور پیدا کرنے کی غرض سے ریاستوں کے ساتھ اپنی کوششوں کو مربوط کیا۔

13 جون کو حکومت نے بین الاقوامی لیبر آرگنائزیشن کے دو کنونشنز 138 اور 182 کی توثیق کی جو بالترتیب ملازمت کیلئے کم سے کم عمر کا تعین کرتے ہیں اور چائلڈ لیبر کی خراب ترین شکل پر پابندی عائد کرتے ہیں۔

نیوز رپورٹس کے مطابق انسانی تجارت روکنے سے متعلق راجستھان حکومت کے تشکیل کردہ یونٹ نے کوٹا، بندٹی، باران اور جھلاور اضلاع میں مئی اور جون میں ایک ماہ تک جاری رہنے والی مہم کے دوران سڑکوں کے کنارے موجود ریستورانوں، گراسری کی دکانوں اور گاڑیوں کی ورکشاپوں سے 500 سے زائد بچوں کو چھڑایا۔

بچوں کی مشقت کے واقعات زیادہ تر زرعی اور غیر سرکاری معیشت میں واقع ہوئے خاص طور پر پتھر توڑنے کی کانوں، بیڑیوں کے کارخانوں اور کھانے کی غیر رسمی دکانوں میں۔ بچوں کا کمرشل سطح پر جنسی استحصال ہوا (اس کیلئے سیکشن - 6، بچے) دیکھیں۔

وی وی گیری قومی ادارہ برائے محنت نے بتایا کہ ملک کے وہ دو شہر جہاں چائلڈ لیبر کے واقعات کی تعداد سب سے زیادہ تھی حیدر آباد اور جیلور تھے۔ حیدر آباد میں 67,366 اور جیلور میں 50,440 بچوں کو کام پر لگایا گیا تھا۔

بندھک مزدوری سمیت بچوں سے جبری مشقت بدستور ایک سنگین مسئلہ رہا۔ آجروں نے بچوں کو گھریلو ملازم اور بھکاریوں کے علاوہ پتھر توڑنے والی کانوں، اینٹوں کے بھٹوں، چاول کے کارخانوں، ریشمی دھاگے کے کارخانوں اور کڑھائی جیسے مخصوص کاموں پر جبری یا باضابطہ دستاویزات کے تحت کام کروایا۔

مزید دیکھئیے محکمہ محنت کی ویب سائٹ پر ”چائلڈ لیبر کی بدترین اشکال سے حاصل شدہ معلومات“ کے بارے میں رپورٹ۔

www.dol.gov/ilab/reports/child-labor/findings/.

د. ملازمت اور پیشے سے متعلق امتیازی سلوک

قانون اور ضابطے ملازمت اور پیشوں میں نسل، صنف، جنس، معذوری، زبان، صنفی کیفیت اور / یا جنس کی شناخت اور سماجی حیثیت کے حوالے سے امتیازی سلوک کی ممانعت کرتے ہیں۔ قانون HIV/ ایڈز یا دیگر متعدی بیماریوں میں مبتلا افراد، رنگ، مذہب، سیاسی خیالات، آبائی وطن یا شہریت کے حوالے سے امتیاز برتنے کی ممانعت نہیں کرتا۔ حکومت نے رسمی شعبوں میں قانون اور ضابطوں کو مؤثر طور پر لاگو کیا۔ تاہم قانون اور ضابطے غیر رسمی شعبوں میں کام کرنے والوں کو تحفظ فراہم نہیں کرتے جو کارکن طبقے کے لگ بھگ 90 فیصد کے برابر ہیں۔

دلت لوگوں، قبائلی افراد اور معذوری کے شکار افراد کے ساتھ غیر سرکاری شعبوں میں امتیازی سلوک جاری رہا۔ قانونی تحفظ سب کیلئے ایک جیسا ہے لیکن تنخواہوں کے حوالے سے مردوں اور عورتوں میں امتیاز موجود رہا۔ بیرون ملک سے ہجرت کر کے آنے والے کارکن زیادہ تر بغیر اندراج کے رہے اور عمومی طور پر اس قانونی تحفظ سے محروم رہے جو ملک کے باقاعدہ شہریوں کو حاصل تھا۔

ف. کام کیلئے قابل قبول حالات

وفاقی قانون تحفظ اور صحت کے معیار مقرر کر تا ہے لیکن ریاستی حکومت کے قوانین کم سے کم اجرت، کام کے گھنٹوں اور ریاست کی طرف سے سیکیورٹی اور صحت سے متعلق اضافی معیار طے کرتے ہیں۔

کم سے کم یومیہ اجرت مختلف علاقوں میں مختلف رہی۔ تاہم یہ سرکاری طور پر لگائے گئے خط غربت کے اندازے سے زیادہ رہی۔ ریاستی حکومتوں نے زرعی کارکنوں کیلئے ایک الگ کم سے کم اجرت متعین کی۔

اجرتوں، کام کے گھنٹوں اور کام کے دوران صحت اور تحفظ کی سہولتوں سے متعلق قوانین کا بڑے غیر رسمی شعبوں پر اطلاق نہیں ہوتا۔

قانون کی رو سے ایک دن میں زیادہ سے زیادہ آٹھ گھنٹے اور ایک ہفتے میں 48 گھنٹے کام لیا جا سکتا ہے اور کام کیلئے ایسی محفوظ جگہ کی فراہمی لازم ہے جس میں غسل خانے، کیفے یٹریا اور طبی سہولتیں موجود ہوں اور وہ ہوا دار ہوں۔ قانون کے مطابق ہر چار گھنٹے کے کام کے بعد آرام کیلئے نصف گھنٹے کا وقفہ اور اوور ٹائم کیلئے زیادہ اجرت دینا ضروری ہے۔ تاہم قانون تعطیلات کی تنخواہ کی ضمانت نہیں دیتا۔ قانون لازمی اوور ٹائم کی ممانعت کرتا ہے لیکن کسی کارکن کیلئے یہ حد مقرر نہیں کرتا کہ وہ زیادہ سے زیادہ کتنا اوور ٹائم کر سکتا ہے۔ حکومت کی طرف سے مقرر کردہ پیشہ ورانہ تحفظ اور صحت کے معیار عام طور پر ٹھیک تھے اور یہ ملک کی اہم صنعتوں کا احاطہ کرتے تھے۔

ریاستی حکومتیں اس بات کی ذمہ دار ہیں کہ وہ کم سے کم اجرت، کام کے گھنٹے اور تحفظ و صحت کے معیار پر عمل درآمد کریں۔ اجرتی قوانین کے نفاذ کیلئے انسپکٹرز کی تعداد ناکافی تھی۔ ریاستی حکومتوں نے زرعی کارکنوں کے لیے کم سے کم اجرت کا قانون اکثر اوقات موثر طور پر لاگو نہیں کیا۔ حفاظتی اور صحت کے معیار کا نفاذ بھی خاص طور پر غیر رسمی شعبوں میں کمزور رہا۔ بعض رسمی صنعتوں میں بھی اس نفاذ کی کیفیت کم و بیش یہی رہی۔ کام کی جگہوں پر حفاظتی اور صحت کے معیار کی خلاف ورزی کرنے پر 100,000 روپے (\$1,600) جرمانے سے لیکر دو سال تک قید کی سزا مقرر کی گئی۔ تاہم یہ سزائیں خلاف ورزیوں کو روکنے کیلئے کافی نہیں تھیں۔

اجرت، اوور ٹائم اور کام کی جگہ پر تحفظ و صحت کے معیار کی خلاف ورزیاں غیر رسمی شعبوں میں عام تھیں۔ (غیر رسمی شعبوں سے مراد ایسی صنعتیں یا ادارے تھے جو فیکٹریز ایکٹ کے تحت نہیں آتے تھے)۔ ان شعبوں میں کل افرادی قوت کا 90 فیصد کام کرتا تھا۔ کم تر ٹکنالوجی کی حامل چھوٹی فیکٹریوں میں کام کرنے والوں کو اکثر خطرناک ماحول میں کام کرنا پڑتا تھا۔ مجاذ کاغذات نہ رکھنے والے غیر ملکی کارکنوں کو کام پر بنیادی صحت و تحفظ کی سہولتیں فراہم نہیں کی جاتی تھیں۔ بہت سی مثالوں میں کارکنوں کو صحت یا تحفظ کیلئے خطرناک ماحول سے خود کو الگ کرنا مشکل ہوتا تھا کیونکہ ایسا کرنے سے ان کی ملازمت خطرے میں پڑ سکتی تھی۔

15 مارچ کو آندھرا پردیش کے وجے واڈا میونسپل کارپوریشن کے کنٹریکٹ پر رکھے ہوئے دو صفائی کرنے والے ملازمین زیر زمین گندے پانی کے نالے کے اندر دم گھٹ جانے سے ہلاک ہو گئے۔

پولیس نے اُن کے آجر پر کوتاہی کے باعث موت کا سبب بننے کے حوالے سے مقدمہ درج کر لیا۔ غیر سرکاری تنظیم صفائی کرمچاری اندولن کے اندازے کے مطابق ملک بھر میں 2014 اور 2016 کے دوران 1,500 افراد غلاظت کے گڑھے صاف کرتے ہوئے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ یہ غیر سرکاری تنظیم طویل عرصے سے ہاتھ سے غلاظت کی صفائی کے کام کے خاتمے کیلئے سرگرم رہی ہے۔

سنہ 2016 کی ایشین ہیومن رائٹس رپورٹ کے مطابق سپریم کورٹ نے بھنگیوں کے طور پر ملازم رکھنے، ان کی بحالی کی ہدایت دینے اور بد رووں کی ہاتھوں سے صفائی پر پابندی لگانے کے قانون پر عملدرآمد کا حکم دیا تھا۔ تاہم حکام نے اس قانون پر شاذ بی عمل درآمد کیا، کمشن نے دلتوں کے حقوق کیلئے کام کرنے والے ایک فعال کارکن کا حوالہ دیا جس نے زور دے کر کہا کہ ہر سال مین ہولز میں کم سے کم 700 افراد کی اموات واقع ہوئیں۔